علامہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

کی بلند پایہ تصنیف

ایضاح الحق الصریح

کا مستند اردو ترجمہ

بدعت کی حقیقت اور اُس کے احکام

مترجم: معراج محمد بارق

قدیمی کتب خانہ
آرام باغ - کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

علامہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

کی بلند پایہ تصنیف

ایضاح الحق الصریح

کا مستند اردو ترجمہ

بدعت کی حقیقت
اور
اُس کے احکام

مترجم: معراج محمد بارق

قدیمی کتب خانہ۔ مقابل آرام باغ۔ کراچی

فہرست مضامین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

11

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

از قلم علامہ محمد یوسف بنوریؒ

مترجم: معراج محمد بارق

جب کسی شخص کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہے یا یہ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی چند خصوصیات و فضائل پر زور دینا چاہتے ہیں، مثلاً اس کی قوتِ ایمانی، شدتِ یقین، کمال اخلاص، علم کی گہرائی، حسن عمل، جہاد فی سبیل اللہ، اس کا آخرت کو ترجیح دینا، دنیا سے زہد، گویا اس کو صحابی کا لقب دے کر ہم نے اس کے ان تمام کمال و جمال اور تمام فضائل و محاسن کا اثبات کر دیا۔ اس طرح یہ ایک لفظ یا لقب اس شخص کے فضل و کمال کو ظاہر کرنے کے لیے نہایت بلیغ و جامع لفظ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو ایسے جلیل القدر صحابی ہیں جن

کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ "وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علم وفقہ سے بھرا ہوا تھیلا ہیں") فرماتے تھے کہ "یہ سب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اس امت میں سب سے افضل ہیں، سب سے نیک دل ہیں، اور علم میں سب سے گہرے ہیں اور سب سے کم تکلف اور بناوٹ کرتے ہیں"۔ آخر میں آپؓ نے فرمایا کہ "تو اے لوگو! ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرو"۔

اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول یاد کیجیے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ، کون افضل ہیں حضرت معاویہؓ یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ؟" تو آپ نے فرمایا "خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہوئے جو گرد وغبار حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہزار درجہ افضل ہے[1]" اور یہ حضرت ابن مبارکؒ (کوئی معمولی آدمی نہیں) یہ فقیہ، محدث، مجاہد صوفی عارف باللہ اور علم وفتویٰ میں ثقہ تھے۔ وہ دینی امور میں غیر سنجیدہ یا غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنے یا بغیر علم ویقین کے فتویٰ دینے سے احتراز کرتے تھے۔ دراصل ان کے مذکورہ بالا قول کی وضاحت کے لئے ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے جس کا یہ موقع محل نہیں ہے۔

درحقیقت اس تمہید سے آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ ہم جس شخص کے بارے میں یہ کہیں کہ "وہ اپنے ایمان، اخلاص، حسن عمل، جہاد فی سبیل اللہ، ایثار آخرت، اور مصائب پر صبر کرنے اور اتباع سنت جیسے کمالات میں صحابہؓ کے مشابہ ہے" تو یہ جملہ اس کے مآثر ومفاخر کے اظہار اور اثبات کے لئے

---

[1] تطہیر الجنان لابن حجر العسقلانی۔

کافی ووافی ہے۔

تو ہم یہ کہتے ہیں کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اسی گروہ اور اسی جماعت میں سے تھے جو تمام وکمال صحابہؓ کے مشابہ تھے۔ یہ لوگ نفوس قدسیہ اور نیک ارواح کے حامل تھے اور پاک صاف دل کے مالک تھے۔ وہ گویا فرشتے تھے جو انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوئے یا (یوں کہیے کہ) وہ خیر البشر وسر الوجود وسرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیض سے فرشتے بن گئے تھے، حتی کہ ملائکہ نے ان پہ رشک اور تعجب کیا اور ان کے لئے ثنا ودعا کی۔ اور اس طرح اس قول الٰہی کا راز ظاہر ہوا جو خداوند تعالیٰ نے آفرینش آدم کے وقت ملائکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔

سرزمین ہند میں پیدا ہونے والے لوگوں میں سے یہ صرف شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تھے جو ان اخیار واصفیاء سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ سرزمین ہند کو حق ہے کہ وہ تمام دنیا کے سامنے اس بات پر فخر کرے کہ اس دورِ قحط الرجال میں ایسا باکمال انسان اس کے ہاں وجود میں آیا۔

شاہ صاحبؒ کو بڑی روشن طبیعت اور نفسِ ذکیہ عطا ہوا تھا۔ آپ کا دل اتباعِ سنتِ نبویہ کے جذبہ سے سرشار تھا، اور بدعات سے سخت متنفر تھا۔ اس کے علاوہ آپ کو اپنے خاندان کے بعض اہل علم بزرگوں کی صحبت میسر ہوئی تھی۔ یہ وہ گھرانا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی دینی اصلاح کے لئے چنا تھا۔ قرآن وسنت کے علوم کا احیاء، دینی شعائر کی حفاظت، علوم نبویہ کی اشاعت، اور سنتِ نبوی کی ترویج اس خاندان کا مشغلہ تھا۔ علم وعمل، ذوق ووجدان، اور

معرفت وایقان ہر طرح سے انہوں نے دینی علوم کی خدمت کی۔ انہی بزرگوں کی صحبت اور اپنی خصوصیات کی وجہ سے مشیئت الٰہی نے اپنی توفیق ربانی سے ان کو نمایاں کیا اور اس قابل کیا کہ وہ سُنن نبویہ کے احیاء کے لئے اور بدعاتِ سیّئہ کے خاتمہ کے لئے مسلسل جدوجہد کریں اور اس نیک مقصد کے حصول کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لیں؛ اپنی زبان سے جو شمشیرِ بُرّاں کی طرح کام کرتی تھی، اور اپنے قوی دل سے جو ایک مضبوط چٹان کی طرح اٹل تھا، اور اپنی قوتِ تخیل کے ذریعہ جو ایک کوندتی ہوئی بجلی کی طرح تیز تھی، اور اپنے عزمِ راسخ سے جو آہن کی طرح پختہ تھا، اور اپنے عملِ پیہم سے جو سیلِ رواں کی طرح جاری تھا۔

جب آپ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو آپ کی علمیّت کے جوہر کھلتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیب کے پردوں سے اجتہاد کے چشمے اُبل پڑے ہیں جو آپ کے باغِ علم کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی چند تصانیف کی مثال دینا کافی ہے۔

آپ کی کتاب "تقویۃ الایمان" پر نظر ڈالئے جو توحید کی شرح اور شرک کے ردّ میں ہے۔ اور "منصبِ امامت" دیکھئے جو حکومتِ الٰہیہ علیٰ منہاج النبوۃ کے موضوع پر ہے۔ اُس میں اِس حکومت کے اصول و مبادی کی کیسی اچھی وضاحت کی ہے اور اس کے مناصب کو کس عمدہ طریق پر بیان کیا ہے۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ اسلامی شرعی حکومت جمہوریت اور ارسٹوکریسی (ARISTOCRACY) کی خوبیوں کی جامع ہے اور یہ کہ دولتِ اسلامیہ جدید مغربی طرز کی خالص جمہوریت

بھی نہیں ہے۔ اور نہ خالصتاً ڈکٹیٹری (آمریت) ہے جس میں حاکم کا استبداد پایا جاتا ہے جیسا کہ آجکل مروج ہے۔ بلکہ وہ ایک شرعی شورائی حکومت ہے جس کا دامن آمریت کی خامیوں اور خرابیوں سے پاک ہے، اور اسی طرح آجکل کی جمہوریتوں کے نقائص اور گندگیوں و آلودگیوں سے بھی مُبرّا ہے، یہ کتاب، واقعی اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے جس میں آپ کے اجتہادی افکار پوری آب و تاب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اپنے طرزِ بیان میں بھی منفرد ہے اور عمدہ ترتیب و عمدہ اسلوب میں بھی ممتاز ہے۔ یہ کتاب ایسی بصیرت افروز ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں خلافت اور حکومتِ اسلامیہ کے لئے مضبوط امیدیں بندھ جاتی ہیں، اور اس کے فوائد روشن ہو جاتے ہیں۔

اس بات کا گمان بھی نہیں تھا کہ آپ کو (اپنی مصروف زندگی میں) علوم صوفیہ میں سے علوم الحقائق پر قلم اٹھانے کی فرصت ملے گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی کتاب "صراطِ مستقیم" میں اس فن کے دقیق مسائل مذکور ہیں جو آپ نے اپنے شیخ اور مرشد (شیخ سید احمد بریلوی شہیدؒ) سے مسائل تصوف اور اسرار حدیث کے سلسلہ میں حاصل کئے تھے۔ اس میں ایسے ایسے نکات موجود ہیں جن سے دوسری کتابیں عاری ہیں۔ اور پھر اس کے بعد آپ کی کتاب "عبقات" آتی ہے جس میں سے علم الحقائق جیسے گہرے اور غامض علم کی خوشبوئیں پھوٹ رہی ہیں اور معارفِ الٰہیہ کی مہک اُٹھ رہی ہے۔

اسی طرح آپ کی ایک کتاب "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" ہے جس میں اس زمانہ کی بدعتوں کا رد کیا گیا ہے۔ اس

موضوع پر یہ کتاب لاثانی اور بے نظیر ہے بلکہ بعض مقامات پر یہ امام شاطبیؒ کی "الاعتصام" سے بھی فائق نظر آتی ہے۔

ایسا نظر آتا ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اِس قسم کے نیک کاموں اور اعلیٰ مقاصد کے لیئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ آپ جب منبر پہ تقریر کے لیئے کھڑے ہوتے تو دورانِ تقریر طوفانِ باد و باراں نظر آتے اور اپنے بلیغ وعظوں کے ذریعہ پتھر جیسے سخت دلوں کو موم کر دیتے اور جب کفار کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے میدان جنگ میں اُترتے تو دھاڑتے ہوئے شیر نظر آتے اور ایسا معلوم ہوتا جیسے آپ نے ساری زندگی عسکری تربیت حاصل کرنے میں گزاری ہو۔ اور جب حقائق الٰہیہ، معارف ربانیہ اور دقائقِ حکمت بیان کرنا شروع کرتے تو قلم آپ کا غلام نظر آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس اخیر زمانہ میں سرزمین ہند پہ کوئی ایسا باکمال شخص ظاہر نہیں ہوا۔ خداوند تعالےٰ نے آپ کی جامع شخصیت میں یہ تمام مختلف خصوصیات اور گوناگوں صفات جمع کر دی تھیں، اور اس طرح آپ نے ہر لحاظ سے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ پیش کر دیا تھا، خواہ وہ قوتِ ایمانی کی صفت ہو یا اتباعِ سنت میں شدت کا مسئلہ، زہد فی الدنیا ہو یا حُبِّ جہاد فی سبیل اللہ، یا ہر معاملہ میں قربانی و ایثار کا جذبہ۔ حق کی خاطر فنا ہونے کا معاملہ ہو یا فنا فی رضاء الحق کا مسئلہ۔

درحقیقت آپ علم و عمل کے بہترین صاف شفاف چشموں سے سیراب ہوئے تھے۔ پس آپ اپنے جدّ امجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مثل تھے

اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے بھی۔ اور اپنے بھائیوں، چچاؤں اور دیگر بزرگوں کی تربیت کا آپ پر اثر تھا۔ اس کے علاوہ عارف باللہ و مجاہد کبیر شیخ سید احمد بریلوی شہیدؒ سے بھی آپ نے تربیت پائی تھی جو آپ کے امام اور مرشد تھے۔ آپ کا دل اخلاص عظیم کے نور سے منور تھا۔ اور پھر آپ نے بہت مجاہدات اور ریاضتیں کر کے اپنے نفس کو مرتاض کیا تھا لہٰذا یہ (کمالات پیدا ہونا) کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔

اِس سے بڑھ کر یہ کہ مشیت الٰہی یہ تھی کہ آپ عالم عارف اور مجاہد فی اللہ ہوں، اتباع سنت کے دلدادہ ہوں، حق کے معاملہ میں جری و شجاع ہوں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔

آپ نے اپنی تمام زندگی وعظ و تذکیر، ردِّ بدعات اور دینی اصلاح میں گزاردی اور قوم کا شیرازہ بکھرنے نہیں دیا بلکہ ان کو صحیح راہ پر متفق و متحد رکھا۔ پھر کفار سے جہاد کیا، یہاں تک کہ ہزارہ کے پہاڑوں میں بالاکوٹ کے مقام پر ۱۲۴۶ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةَ الْأَبْرَارِ وَالْمُجَاهِدِينَ۔

محمد یوسف بن السید محمد زکریا البنوری الحسینی
مدیر المدرسۃ العربیۃ الاسلامیۃ فی کراتشی باکستان
سوموار ۱۷ صفر الخیر سنہ ۱۳۸۱ھ

مختصر سوانح حیات

شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ بمطابق ۲۹ اپریل ۱۷۷۹ء کو اپنی ننھیال پھلت، ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ یہ اکبر شاہ ثانی کا عہد تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام شاہ عبدالغنیؒ تھا جو شاہ ولی اللہؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ تھے۔ اور والدہ مکرمہ کا نام فاطمہ تھا جو مولوی علاؤالدین پھلتیؒ کی صاحبزادی تھیں۔

تعلیم و تربیت

آٹھ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد دو تین برس میں صرف و نحو کی کتب متداولہ اپنے والد محترم سے پڑھ لیں۔ اس کے بعد کچھ معقول کی کتابیں بھی اپنے والد سے پڑھیں۔ ۱۶ رجب المرجب ۱۲۰۳ھ کو آپ کے والد ماجد شاہ عبدالغنیؒ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر دس سال کی تھی۔ اس وقت سے آپ کے چچا شاہ عبدالقادرؒ نے آپ کو اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد زیادہ تر کتابیں شاہ عبدالقادرؒ سے پڑھیں۔ آپ نے اپنے دوسرے چچا

شاہ رفیع الدینؒ سے بھی پڑھا، اور حدیث شریف کی سند شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کی۔ اس طرح سولہ برس کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔

سپاہیانہ فنون اور ورزشیں

اپنے قوائے ذہنیہ کو جلا دینے کے ساتھ ساتھ آپ قوائے جسمانیہ کی تربیت کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ آپ نے سپہ گری کے فنون، گھوڑے کی سواری، تیراکی، بنّوٹ، کشتی، نشانہ بازی وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔ باوجود دبلے پتلے ہونے اور متوسط قد ہونے کے اکیس سال کی عمر میں تمام جنگی فنون میں مہارت حاصل کر لی۔ موسم سرما میں اکہرے کپڑے پہن کر ٹہلتے، سخت دھوپ میں تپتی ہوئی زمین پر آہستہ آہستہ برہنہ پا چلتے، کم کھانے اور کم سونے کی بھی مشق تھی۔ نیند پر اس قدر قابو پا لیا تھا کہ جب چاہیں سو رہیں اور جب چاہیں جاگ اٹھیں۔

نکاح

شاہ عبدالقادرؒ نے اپنی نواسی ام کلثوم کا نکاح آپ سے کر دیا تھا جو شاہ رفیع الدینؒ کے فرزند عبدالرحمٰنؒ کی صاحبزادی تھیں۔

اصلاحی کارنامے

معلوم ہوتا ہے خاندان کے بزرگوں کو آپ کا پہلوانی اور ورزشی مشغلوں میں زیادہ مصروف رہنا پسند نہ آیا۔ وہ آپ کو دنگل سے نکال کر درس و وعظ کی مجلس میں کھینچ لائے۔ یہاں آپ کی پرجوش طبیعت نے خود مجلسِ وعظ کا طور بدل دیا۔ پہلا ہی عام وعظ جمعۃ الوداع کے دن دہلی کی بھری جامع

مسجد میں مشرکانہ عقائد و بدعات کے خلاف اس شدت سے کیا کہ عوام کی آنکھیں کھل گئیں، خواص کے کان کھڑے ہو گئے۔

شیخ سدّو کے بکرے، احمد کبیر کی گائیں، غیر اللہ کی نذر و نیاز، مسلمانوں میں مذہبی پابندی سے ادا کی جاتی تھیں۔ بڑے پیر صاحب کی دستگیری اور حضرت علیؓ کی مشکل کشائی گویا ایمان کا جزو بن گئی تھیں۔ شاہ صاحب نے آیاتِ قرآنی سے ان اعمال و عقائد کی تردید کی۔ اس وقت کے مسلمان جن برائیوں میں مبتلا تھے مثلاً سیتلا (چیچک) کی پرستش، تعزیہ داری، قبر پرستی اور دیگر رسوم و بدعات، ان کو دفع کرنے کے لئے آپ نے باقاعدہ وعظ گوئی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مسجدوں میں، عرسوں میں، مجلسوں میں جہاں مسلمان جمع ہوتے اور آپ کو موقع ملتا تقریریں کرتے، کجروی سے روکتے، توحید و تقویٰ کے سیدھے راستہ کی طرف پکار پکار کر بلاتے۔ تقریر بجائے خود ایسی دلپذیر و پرتاثیر ہوتی کہ مخالف تک لوہا مان گئے۔ بعض اوقات محفل سماع میں لوگ قوالی چھوڑ کر ان کی تقریر سننے کے لئے دوڑ پڑتے تھے۔ ہزارہا عوام الناس کے ساتھ بڑے بڑے علماء بھی شرکت کرتے تھے۔ آپ کی تقریر کی آتش باری اور مخلصانہ وعظ و تلقین کی شعلہ بیانی نے بہت سی بدرسموں اور بدعتوں کے قلعے توڑے، صدہا مسلمانوں سے طاعتِ الٰہی اور ترک معاصی کا اقرار کرایا اور بری بری رسموں کو چھڑوایا۔

اس زمانہ میں ایک بڑا افساد جھوٹے درویشوں اور جعلی صوفیوں

نے مچایا تھا، جو اس دورِ نکبت وفلاکت میں باطنی قوت کے عجیب عجیب کرشمے دکھاتے تھے، خوارق وکرامات کے قصے سناتے اور مخلوق خدا کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اٹھا کر ان کو خوب لوٹتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے ان بٹ ماروں کی اچھی خبر لی۔ ان کی کرامات ومکاشفات کا بھانڈا پھوڑا اور کئی مکاروں کو شہر سے بھگا دیا۔

مخالفین کی سازشیں

ان اصلاحی کوششوں میں کامیابی کو دیکھ کر مخالفین اور حاسدین سرگرمِ عمل ہو گئے۔ حاسدوں نے آپ کو پریشان کرنے کے لئے آپ کے خلاف غلط اور مکروہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس وقت کے مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی سے آپ کی شکایت کی گئی کہ آپ نبیوں کی توہین کرتے ہیں، اولیاء اللہ کو نہیں مانتے، کرامتوں کے منکر ہیں، اماموں کے دشمن ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا۔ آپ نے اس کے سامنے بطور وعظ اپنے صحیح اعتقادات کا اظہار کیا۔ اس کے استفسار کا تسلی بخش جواب دے کر اُسے مطمئن کر دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے بصد تکریم آپ کو رخصت کیا۔

اس زمانہ میں اصل اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا اس کے بعد حاسدوں نے ریزیڈنٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاں کئی سو دستخطوں سے ایک درخواست پیش کی کہ مولانا کے وعظ بند کرائے جائیں ورنہ فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ریزیڈنسی سے آپ کے وعظ کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ چالیس دن تک آپ کا وعظ بند رہا۔ البتہ

اس عرصہ میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ آخر شاہ صاحب نے جواب میں "اثنی دلائل" کی عرضی ریزیڈنٹ کو بھیجی۔ پھر خود جا کر ملے۔ اس کو اپنے وعظ کی نوعیت اور عقائد کی صفائی بیان کی تو اس نے سابقہ حکم منسوخ کر کے دوسرا حکم کوتوال کے نام بھیجا جس کی رو سے آپ کو وعظ کی اجازت حاصل ہو گئی۔ یہ غالباً ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) کے واقعات ہیں۔

سید احمد شہیدؒ کی بیعت

کچھ عرصہ بعد ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں سید احمد بریلویؒ نواب امیر خاں والیٔ ٹونک کی رفاقت وملازمت ترک کر کے راجپوتانہ سے دہلی پہنچے اور اکبر آبادی مسجد میں قیام کیا۔ یہ بہت متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ دہلی آتے ہی لوگوں نے ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ پہلے مولانا محمد یوسف پھلتی، پھر شاہ عبدالعزیزؒ کے داماد مولانا عبدالحیٔ بڈھانویؒ اور پھر شاہ عبدالعزیزؒ کے ایماء پر شاہ محمد اسمٰعیلؒ نے ان سے بیعت کی۔ وعظ وتلقین کا سلسلہ جاری رہا، بلکہ شب وروز پہلے سے کہیں زیادہ لوگوں کی دعوت وارشاد میں بسر ہونے لگے۔ سہ شنبہ اور جمعہ کو بالالتزام جامع مسجد میں وعظ فرماتے۔ نمازِ جمعہ کے لئے لوگ اس کثرت سے آنے لگے جیسے عیدین کی نمازوں میں آتے تھے۔ درحقیقت سید احمد صاحبؒ کی تبلیغ ودعوت کی زبان وقلم گویا شاہ محمد اسمٰعیلؒ تھے، اور آپ نے اپنی تمام توانائیاں اپنے پیر ومرشد کے مشن کی تکمیل کے لئے وقف کر دی تھیں۔

سفر حج

اس زمانہ میں بحیرۂ عرب اور دیگر سمندری راستوں پر فرنگیوں خاص کر پرتگیزیوں کا غلبہ تھا جس سے سمندری سفر خطرناک ہو گیا تھا۔ دوسری طرف سرزمین عرب میں بدوؤں نے لوٹ مار اور حاجیوں کے قافلوں پر ڈاکہ زنی کا بازار گرم کر رکھا تھا جس سے حاجیوں کی جان و مال کو خطرہ لاحق رہتا تھا۔ انہی وجوہ سے اس زمانہ میں ہندوستان کے بعض علماء نے قرآنی آیت لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (اپنے آپ کو خود تباہی میں نہ ڈالو) سے استدلال کر کے حج کے خلاف فتویٰ دیدیا تھا کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ سید احمدؒ صاحب اور شاہ محمد اسمٰعیلؒ نے اس مفسدہ کا سدباب کرنے کے لئے اور دیگر مصالح کے پیش نظر شوال ۱۲۳۶ھ (جولائی ۱۸۲۱ء) میں حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ اور اس مقصد کے لئے تقریباً آٹھ سو مسلمانوں پر مشتمل ایک قافلہ ترتیب دیا جن میں ایک چوتھائی کے قریب خواتین تھیں۔ یہ قافلہ رائے بریلی سے کشتیوں پر دریائے گنگا کے راستہ کلکتہ روانہ ہوا۔ تمام راستے اصلاح و تبلیغ کا کام جاری رہا۔ جگہ جگہ لوگوں نے والہانہ استقبال کیا اور خوب میزبانی کی۔ ہزارہا لوگ بدعات اور شرکیہ اعمال و عقائد چھوڑ کر تائب ہوئے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ کلکتہ میں تقریباً تین ماہ قیام رہا۔ وہاں بھی یہی مصروفیات تھیں۔ پھر وہاں سے گیارہ جہاز کرائے پر لے کر حجاز روانہ ہوئے۔ ہر جہاز پر ایک امیر مقرر تھا۔ ایک جہاز کے امیر خود شاہ محمد اسمٰعیلؒ تھے۔ شعبان کے آخر میں مکہ معظمہ کی حاضری

کا شرف حاصل ہوا، پھر مدینہ منورہ گئے اور دوسرے سال ۱۲۳۸ھ میں وطن کی طرف مراجعت کی اور شعبان ۱۲۳۹ھ (مطابق اپریل ۱۸۲۴ء) میں ہندوستان واپس پہنچے۔ اس پورے سفر میں کچھ کم تین سال کی مدت صرف ہوئی۔

ہجرت برائے جہاد

کئی سال سے پنجاب کے مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم کی داستانیں سننے میں آ رہی تھیں۔ وہاں رنجیت سنگھ کا راج تھا۔ وہاں سکھوں نے مسلمانوں پر ناقابل برداشت مصائب ڈھا رکھے تھے۔ احکام اسلام کی کھلم کھلا توہین کی جاتی تھی۔ بہت سی مساجد سکھوں کے قبضہ میں تھیں جن میں گھوڑے بندھتے تھے یا دفتر قائم کر رکھے تھے۔ مسلمان عورتوں کی عزت و آبرو بھی محفوظ نہیں تھی۔ چنانچہ آپ نے دو برس تک خود پنجاب کا دورہ کیا۔ اس عرصہ میں وہاں کی زبان سیکھی اور تمام حالات بچشم خود ملاحظہ فرما کر دہلی واپس آئے۔ اور سید احمد صاحبؒ کے ساتھ اس ظلم کو ختم کرنے اور خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لئے ۱۷ رجمادی الآخر ۱۲۴۱ھ (۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء) کو آپ نے بہ نیت جہاد پنجاب کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں سے گزر کر وہ کسی آزاد علاقہ میں اپنا مرکز بنائیں اور وہاں سے سکھوں کے خلاف جہاد کر سکیں۔

جہاد اور شہادت

آپ حضرت سید احمدؒ کے ساتھ تین ہزار میل کا راستہ طے کر کے پشاور کے علاقہ میں پہنچے۔ اس علاقہ میں تبلیغ دین اور دعوت الی کلمۃ اللہ کے لئے بھرپور کوششیں کیں، طرح طرح کے مصائب جھیلے۔ اور جتنی بھی

جنگیں ہوئیں ان میں عملی حصہ لیا، اور سب سے آگے آگے رہے۔ اس کے علاوہ مخالف حکمرانوں کو سیاسی خطوط لکھنے کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔ اس تمام عرصہ میں تقریباً گیارہ معرکے ہوئے، اور سب میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے۔ بالآخر بالاکوٹ کے میدانِ کارزار میں اپنے مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ بروز جمعہ ۲۴ر ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ (۱۶ر مئی سنہ ۱۸۳۱ء) کو کفار سے جنگ کرتے ہوئے اپنی جان خدا کی راہ میں دیدی ؎

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خوں غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

تصانیف

شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ جہاں ایک بڑے مجاہد، عالم، واعظ اور مبلغ تھے، وہاں ایک بہترین مصنف بھی تھے۔ اپنے پیچھے بہت سی تصانیف چھوڑیں جن میں سے بعض دستبرد زمانہ سے ضائع ہوگئیں۔ چند اہم تصانیف کے نام یہ ہیں۔ تقویۃ الایمان (اردو) رد الاشراک (عربی) تنویر العینین۔ صراط مستقیم (فارسی) العبقات (عربی) حقیقتِ تصوف، الاربعین اور ایضاح الحق الصریح جس کا اردو ترجمہ پیشِ ناظرین ہے ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَكْرَمِ الْخَلْقِ مُحَمَّدِنِ الْبَشِیْرِ النَّذِیْرِ الَّذِیْ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلَی النَّاسِ كَافَّةً وَّسَمَّاهُ بِالسِّرَاجِ الْمُنِیْرِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ فَازُوْا بِنُصْرَةِ الدِّیْنِ وَكَبْتِ الْمُشْرِكِیْنَ بِلِسَانِ الْمُنَاظَرَةِ وَسَیْفِ التَّدْمِیْرِ۔

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو زندگی اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور رحمتِ کاملہ اور سلام ہو تمام مخلوق سے بزرگ تر ذاتِ پاک حضرت محمدؐ پر جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا اور آپؐ کا نام (لقب) سراجِ منیر (روشن چراغ) رکھا۔ اور آپؐ کی آل و اصحاب پر بھی رحمت وسلام ہو جو مناظرہ کی زبان اور تباہ کن شمشیرِ بے نیام کے ذریعہ دینِ اسلام کی نصرت و مدد کرنے اور مشرکین کو ذلت و شکست سے دوچار کرنے میں کامیاب ہوئے)۔

اَمّابعد

واضح ہوکہ ہمارے اس زمانہ میں بدعتی لوگوں کے فتنے اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ اکثر عبادات و عادات، اور معاشرتی امور و معاملات میں جناب افضلِ مخلوقات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی مرتبہ سنت مختلف قسم کی بدعتوں اور منکرات کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہے۔ یہ قبیح خلط ملط اور میل ملاؤ اگرچہ اکثر عبادات اور رسوم و عادات میں داخل ہوا ہے لیکن موت اور میتوں کے متعلق رسموں میں مختلف قسم کی شرکیہ رسمیں اور بدعتیں اس کثرت سے جمع ہوگئی ہیں کہ سنّتِ نبویہ صرف برائے نام باقی رہ گئی ہے۔ اسی بنا پر میرے مشفق و مکرم فضیلت مآب مولوی تفضّل علی صاحب کو خواہش پیدا ہوئی کہ ان مذکورہ رسوم میں سنت اور بدعت کے درمیان فرق و امتیاز کو واضح کیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے اس سلسلہ میں بندۂ ضعیف، امیدوارِ رحمت اللہ الجلیل احقر العباد **محمد اسمٰعیل** عفی عنہ سے استفسار کیا تو بندۂ ضعیف نے ان سوالوں کے جوابات (بصورتِ رسالہ) چند اوراق میں مفصل اور مدلل طور پر بیان کئے اور اُس کا نام **ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح** رکھا۔ وماتوفیقی الّا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

فصل اول

بدعت کی حقیقت

لفظ "بدعت" جو کہ حدیث شریف میں استعمال ہوا ہے اس کے معنی بھی حدیث شریف سے ہی معلوم کرنے چاہئیں، کیونکہ مثل مشہور ہے کہ "تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں" (اپنی تصنیف کی وضاحت مصنف ہی بہتر طور پر کرسکتا ہے)۔

پس ہم کہتے ہیں کہ امام احمدؒ وابوداؤدؒ و ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت کی ہے کہ

قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَۃً بَلِیْغَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْھَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَاَنَّ ھٰذِہٖ مَوْعِظَۃُ مُوَدِّعٍ

انہوں نے کہا کہ ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی یعنی امامت کی۔ پھر ہماری طرف منہ کیا اور خوب نصیحت کی اور وعظ فرمایا جس کو سن کر (ہماری) آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل ہل گئے۔ پھر ایک شخص نے (اٹھ کر) کہا یا رسول اللہ!

فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

(مشکوٰۃ : باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

یہ نصیحت تو گویا رخصت کرنے والے کی وصیت لگتی ہے تو آپ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں خدا سے ڈرنے کی اور اپنے حاکموں کے احکام قبول کرنے کی، خواہ وہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا پس تم میری سنّت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنّت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ اس کو ہاتھوں اور دانتوں سے مضبوط تھام لو، اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو، کیونکہ ہر نئی جاری کی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

⁂

نیز بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ

قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

(مشکوٰۃ؛ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات جاری کی جو ہمارے دین میں نہ ہو تو وہ رد ہے (یعنی مردود ہے اور قابلِ قبول نہیں ہے)۔

نیز بخاری اور مسلم نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ

قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللهِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰهِ وَ

انہوں نے کہا کہ تین جماعتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس آپؐ کی عبادت کا حال و کیفیت پوچھنے آئیں۔ جب انہیں آپؐ کی عبادت کی کیفیت بتائی گئی تو گویا انہوں نے آپؐ کی عبادت کو کم سمجھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا ہم کہاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں۔ یعنی ہمیں آپؐ سے کیا نسبت اللہ تعالیٰ نے تو اُن کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں تو اب تمام رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا۔ اور کبھی دن میں افطار نہیں کروں گا۔ اُن میں سے ایک اور نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا۔ اور کبھی نکاح نہیں کرونگا اتنے میں ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ کہا۔ سنو واللہ! تمہاری

أَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّيْ وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

بہ نسبت میں خدا سے زیادہ ڈرتا ہوں، مگر (دیکھو) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور (کسی دن) نہیں بھی رکھتا ہوں۔ اور نماز و تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اگرچہ اس باب میں اور بہت سی احادیث آئی ہیں مگر یہاں پر ہم انہی تین حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں، تاکہ اور حدیثوں کو ان پر قیاس کر سکیں۔

بدعت کی دو اقسام

اب جاننا چاہیئے کہ ان مذکورہ بالا تینوں احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "بدعت" دو قسم کی ہوتی ہے۔

قسم اوّل یہ ہے کہ وہ چیز اپنی ذات سے مُحدَث ہو یعنی نئی نکالی گئی ہو۔ یہ بات پہلی حدیث سے معلوم ہوئی ہے۔

قسم دوم یہ ہے کہ شریعت کے کسی کام میں کوئی کمی یا زیادتی کی گئی ہو یا اس میں کوئی نئی صورت نکالی گئی ہو۔ حاصلِ کلام یہ کہ کسی شرعی امر کو اس طرح ادا کریں کہ اُس طرح شریعت میں مذکور و منقول نہ ہو (تو وہ بھی بدعت ہے) اور یہ مطلب آخری دو حدیثوں سے اخذ ہوتا ہے۔

پس پہلی قسم کو ہم بدعتِ اصلی[1] کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بدعتِ وصفی[2] کہتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کی وضاحت ہم دو بحثوں میں کرنا چاہتے ہیں۔

بحث اول

بدعتِ اصلیہ کے مفہوم کی تحقیق

جاننا چاہیئے کہ بدعتِ اصلیہ کے مطلب و مفہوم کا معلوم کرنا پہلی حدیث کے دو کلمات کا مفہوم معلوم کرنے پر موقوف ہے۔ اول لفظ "محدثات" دوسرا لفظ "امور"۔

لفظ محدث کی تحقیق

پہلے لفظ (محدثات) کے مفہوم کی تحقیق کا جہاں تک تعلق ہے، یوں سمجھنا چاہیئے کہ لفظ (احداث) کسی نئی چیز کے ایجاد کرنے یا نکالنے اور جاری کرنے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اور عرف و محاورہ میں اس کا اطلاق اُس نئی چیز پر ہوگا جو پہلے زمانہ میں نہ خود موجود ہو اور نہ اس کی مثل (نظیر) موجود ہو۔ مثلاً نئی قبا سینے کو، اور تازہ روٹی پکانے کو اور نئی تلوار بنانے کو کوئی اہلِ زبان نیا لباس ایجاد کرنا، یا نئی (قسم کی) روٹی ایجاد کرنا یا ایک نئی تلوار ایجاد کرنا نہیں کہتا۔ پس معلوم ہوا کہ کسی چیز کی نظیر یعنی اس کے مثل کسی چیز کا پہلے زمانہ میں موجود ہونا خود اُسی چیز کے موجود ہونے کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی اگرچہ وہ نئی چیز بذاتِ خود پہلے زمانہ میں حقیقتاً موجود نہ تھی مگر اپنی نظیر کے موجود ہونے کی وجہ سے حکماً موجود تھی۔

پس مُحدَث (نئی ایجاد کردہ، نئی نکالی ہوئی) وہی چیز کہلائے گی جو پہلے

زمانہ میں نہ تو حقیقتاً (خود) موجود ہو اور نہ حکماً یعنی اس کی نظیر ومثال بھی موجود نہ ہو، اس لئے کہ جو چیز خود پہلے زمانہ میں موجود ہو اُس کو سنّتِ حقیقیہ کی قسم سے شمار کرنا چاہیے۔ اور جس چیز کی نظیر پہلے زمانہ میں موجود ہو (اور وہ خود اپنی ذات سے اُس وقت موجود نہ ہو) تو اُس کو سُنّتِ حُکمیّہ کی قسم سے سمجھنا چاہیے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (تو اے [بصیرت کی] آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو) کے حکم کے مطابق (دینی) احکام میں قیاس کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور مذکورہ بالا احادیث کی رو سے احداث (یعنی اپنی طرف سے کوئی دینی حکم ایجاد کرنا) شرعاً منع ہے۔ پس احداث اور قیاس دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور ہماری اس گفتگو میں "پہلے زمانہ" (زمانِ سابق) سے مراد سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بابرکت زمانہ اور خلفائے راشدین وصحابہ معظمین وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا زمانہ مراد ہے۔

پس مُحدَث (نئی ایجاد کردہ) وہی چیز ہے جو ان مذکورہ بالا مبارک زمانوں میں نہ خود موجود ہو اور نہ اس کی نظیر پائی جاتی ہو، اس لئے کہ جو چیز خود یا اس کی نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائی جائے تو اس کو سنّتِ اصلیہ سمجھنا چاہیے، اور جو چیز بذاتِ خود یا اُس کی نظیر خلفائے راشدین وصحابہ وتابعین کے زمانہ میں وجود میں آئی ہو تو اس کو سنت سے ملحق ماننا چاہیے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں محدثات (نئی چیزوں) کی پیروی سے منع کیا گیا ہے، آپؐ کا فرمان اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ (تم نئی نئی باتوں سے بچتے رہو) مذکورہ بالا احادیث میں موجود ہے۔ اور مندرجہ بالا امور (جو عہد رسالت وعہد صحابہ وتابعین میں رائج

ان کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث میں آپؐ کا فرمان ہے:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ۔

تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (پر عمل) لازم ہے۔

اسی طرح ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّهٗ عَلَانِیَةً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقُوْا عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً وَسَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر بھی ایسا دور آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا (یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کے مماثل ہو جائیں گے) جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہو گی تو میری امت میں بھی کوئی ایسا ہو گا جو یہ فعل بد کرے گا۔ بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ وہ سب کے سب آگ (دوزخ) میں جائیں گے سوائے ایک گروہ کے (کہ وہ جنتی ہو گا) صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کونسا گروہ ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا وہ گروہ وہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر (گامزن) ہو گا۔

نیز نئی نکالی ہوئی چیزیں سب سے بُری قرار دی گئی ہیں بموجب حکم شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا (سب سے بُری چیزیں وہ ہیں جو نئی نکالی گئی ہوں) جو مرقومہ بالا حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اور قرون ثلاثہ (تینوں زمانے) سب زمانوں سے اچھے ہیں۔ جیساکہ بخاری اور مسلم نے حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمًا يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَنْذِرُوْنَ وَلَا يُوْفُوْنَ وَيَظْهَرُ فِيْهِمُ السِّمَنُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد ہیں، پھر اُن کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو خود سے گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، وہ خائن ہونگے امانت دار نہیں ہونگے۔ نذریں مانیں گے لیکن ان کو پورا نہیں کریں گے۔ ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ "محدثات" (نئی باتیں) سنتِ اصلیہ اور ملحق بالسنت کے سوا کوئی اور چیز ہیں۔

کسی چیز کے عہد نبوی میں موجود یا رائج ہونے کا مطلب

کسی چیز کے یا اس کی نظیر کے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اُس کو کیا ہو یا اس کو کرنے کا حکم فرمایا ہو یا کسی صحابی نے اس زمانہ میں اسے کیا ہو اور آنحضرت ﷺ نے اس کا علم ہونے پر اس سے منع نہ کیا ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ مذکورہ بالا تینوں قسمیں سنت میں داخل ہیں۔

کسی چیز کے قرون ثلاثہ میں ہونے کا مطلب

اور کسی چیز یا اس کی نظیر کے قرون ثلاثہ میں ہونے سے یہ مراد ہے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک زمانہ میں بغیر کسی نکیر و اعتراض کے اس پر عمل شروع ہو گیا ہو، اور بغیر کسی رد و قدح کے اس نے رواج پالیا ہو، یہ مطلب نہیں کہ کسی نے شاذ و نادر طور پر اسے کیا ہو یا اس کے کرنے والوں پر رد و انکار کیا گیا ہو، اگرچہ یہ کام کرنے والے ایک بڑی تعداد میں اور جم غفیر ہوں، پس ایسے امور ہرگز محدثات سے خارج نہیں بلکہ انہی میں داخل ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کے اس ٹکڑے مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ (جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں) میں ما سے مراد اخلاق و سیرت و کردارِ صحابہؓ ہے بموجب اس حدیث کے جو رزین نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ:-

انه قال من كان مستنا فليستن بمن قد مات فان الحي لا يؤمن عليه الفتنة واولئك اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا افضل هذه الامة وابرها

آپؓ نے فرمایا جو شخص کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس کا طریقہ اختیار کرے جو پہلے مر چکا ہے۔ کیونکہ زندہ لوگ فتنہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ اور وہ لوگ (جو مر گئے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے جو امت میں سب سے افضل، سب سے نیک دل، علم

قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا اختارهم الله تعالیٰ لصحبة نبيه ولاقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علیٰ اثرهم وتمسكوا بما ما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا علیٰ الهدیٰ المستقيم۔

ہیں سب سے گہرے، سب سے کم بناوٹ وتکلف کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کے قائم کرنے کیلئے چُنا۔ پس ان کی فضیلت کو مانو اوران کے نقش قدم پر چلو، اور جہاں تک تم سے ہوسکے ان کے نیک اخلاق وعادات اور سیرت وخصائل کو اختیار کرو، کیونکہ وہ سب سیدھی راہِ ہدایت پر تھے۔

کسی قوم یا گروہ کی "سیرت" کا مفہوم

جب لفظ "سیرت" کسی قوم یا گروہ کی طرف منسوب ہوگا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ وہ سیرت (طریق زندگی، خصلت) اس تمام قوم یا گروہ میں مروج ہوگی۔ یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ ان میں سے کوئی ایک شخص انفرادی طور پر یا شاذونادر طور پر اس سیرت وخصلت کا حامل ہوگا یا یہ کہ اس سیرت کا حامل شخص ان کے طعن وملامت کا نشانہ بنا ہو۔ مثلاً صاحبِ علم لوگ کچا گوشت کھانا اہل ہند کی عادت نہیں بتاتے، اگرچہ بعض اہل ہند نے شاذونادر کچا گوشت کھایا ہو بخلاف حبشیوں کے جن میں کچا گوشت کھانے کا عام رواج ہے۔ اسی لئے عرف ومحاورہ میں یہ عادت حبشیوں کی خصلت شمار ہوتی ہے۔

"اصحابی" سے مراد

نیز لفظ "اَصْحَابِیْ" چونکہ جمعِ مکسّر ہے اور یائے متکلم کی طرف مضاف ہے جو کہ خود معرفہ ہے (اَصْحَاب+یْ)، اور (قاعدہ یہ ہے کہ) جمع مکسر جب معرفہ کی طرف مضاف ہو تو اس میں استغراق کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ (یعنی وہ اسم اپنے تمام افراد کو محیط ہوتا ہے اوراس گروہ کے ہر ہر شخص پر اس کا اطلاق ہوتا ہے)۔ اس کی دلیل بخاری اور مسلم کی وہ روایت ہے جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تشہد (التحیات) کی تعلیم کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاِنَّهٗ اِذَا قَالَ اَیْ كَلِمَةَ "عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ" اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔

کیونکہ جب وہ (نمازی) یہ جملہ کہے گا، [وَعَلٰی] "عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ" (خدا کے نیک بندوں پر) تو (اس کا یہ سلام) ہر صالح بندہ کو پہنچے گا خواہ وہ بندہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔

پس اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ کلمہ "عِبَادِ اللّٰہِ"، استغراق کے معنی کا فائدہ دیتا ہے (اور خدا کے سب بندے اس میں مراد ہیں) اسی طرح "اَصْحَابِیْ" (میرے اصحاب) بھی استغراق کے معنی کا فائدہ دیتا ہے (اوراس میں تمام صحابہؓ شامل ہیں)۔ اور "استغراقِ حقیقی" جس کی ہم یہاں گفتگو کررہے ہیں اس صورت میں ثابت ہوگا کہ تمام صحابہؓ اس عادت وخصلت پر (قائم) ہوں۔ اور "استغراقِ عُرفی" اس طرح ہوگا کہ (تمام نہیں تو) اکثر صحابہؓ اس عادت پر ہوں۔ اور جو اس طریقہ وعادت پر

(گامزن) نہ ہوں وہ اس کا رد اور انکار نہ کریں (بلکہ اس کو دیکھ کر) خاموش رہیں۔ اسی کو رواج کہا جاتا ہے۔

قَرْنِیْ کا مفہوم

اور کلمہ "خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ" (میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں) جو کہ پہلی حدیث میں آیا ہے، اس سے بھی یہی معنی حاصل ہوتے ہیں کیونکہ "خیریت" کی نسبت "قَرْنِیْ" کی طرف کرنے سے عرف میں یہی معنی سمجھے جاتے ہیں کہ اس قرن (زمانہ) کی مروجہ رسمیں اچھی ہی ہوں گی، یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس زمانہ کے لوگوں میں سے ہر فرد کا ہر فعل خیر (اچھا و نیک) ہی ہو گا۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ "محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں شاہجہاں آباد (دہلی) کے لوگ فضول خرچ تھے" تو اہل زبان اس سے یہی سمجھیں گے کہ دہلی والوں میں شادی، غمی (ماتم)، اکل و طعام اور لباس و مکانات کے سلسلہ میں جو رسمیں (اس زمانہ میں) مروّج تھیں ان میں فضول خرچی پائی جاتی تھی، اگرچہ ان میں سے بعض اِکّا دُکّا لوگ ان مذکورہ رسموں سے بچے ہوئے ہوں، یا گنوار لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد جو شہر دہلی میں سکونت رکھتی تھی وہ ان مذکورہ رسموں سے اجتناب کرتی ہو، اور اسی اجتناب کی وجہ سے اور ان رسموں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان لوگوں کو اس زمانہ میں طعنے دیئے جاتے ہوں اور ملامت کی جاتی ہو۔ چنانچہ جملہ ثُمَّ یَظْهَرُ الْکَذِبُ (جھوٹ پھیل جائے گا) جو اسی مذکورہ بالا حدیث کی سنن نسائی والی روایت میں آیا ہے اس معنی کی واضح دلیل ہے، کیونکہ ثُمَّ یَظْهَرُ الْکَذِبُ (پھر جھوٹ ظاہر ہو کر پھیلے گا) فرمایا، ثُمَّ یُوْجَدُ الْکَذِبُ (پھر جھوٹ پایا جائے گا) نہیں فرمایا پس اس کلمہ

سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرونِ ثلٰثہ[1] اور بعد کے دیگر تمام زمانوں میں ظہورِ کذب یعنی جھوٹ پھیل جانے کا فرق ہے یعنی بعد کے زمانوں میں جھوٹ پھیل جائے گا اور قرون ثلاثہ میں نہیں پھیلے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرون ثلاثہ میں جھوٹ ہو گا ہی نہیں یا ان بابرکت تین زمانوں (قرون ثلاثہ) میں کوئی شخص جھوٹ بولے گا ہی نہیں۔ (بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان تین زمانوں میں جھوٹ عام نہیں ہو گا جیسا کہ بعد کے زمانوں میں ہو گا)۔

نیز یہ بات رئیس العلماء حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کے اس فتوے کی رو سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں آپ نے استمداد کو مُردوں سے دعا کرنے اور مراد طلب کرنے کے معنی میں لے کر بدعت کی قسم میں شمار کیا ہے، حالانکہ استیعاب کے مصنف (علامہ ابن عبدالبرؒ) نے روایت بیان کی ہے کہ حضرتِ عمرؓ کے زمانہ میں ایک اعرابی (بدو، گنوار) نے جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزارِ مبارک سے بارش برسنے کی دعا (دعائے استسقاء) کی تھی۔ اب دیکھئے، حالانکہ یہ کام اس مبارک زمانہ (قرنِ خیر) میں واقع ہوا، لیکن چونکہ اس اعرابی کا کام اور فعل اس قرن میں مروج نہیں تھا لہٰذا بدعت شمار ہوا[2]۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مُحدَث (نئی نکالی ہوئی چیز یا بدعت) اس کو کہتے ہیں جو جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت زمانہ میں نہ تو خود وجود میں

---

[1] قرون ثلاثہ عہد رسالت اور عہد صحابہ اور عہد تابعین و تبع تابعین کو کہتے ہیں ۱۲ مترجم

[2] یعنی اسکو امت محمدیہ نے بدعت شمار کیا۔ کیونکہ اس بابرکت عہد کے لوگوں نے اس کام کو پسند نہیں کیا۔ اگر یہ کام اس عہد کے لوگوں میں رواج پالیتا تو بدعت شمار نہ ہوتا ۱۲ مترجم

آئی ہو اور نہ اس کی نظیر ظاہر ہوئی ہو۔ اسی طرح قرون ثلاثہ (تینوں زمانوں) میں بھی نہ خود وہ چیز اور نہ اس کی نظیر بغیر کسی رد وانکار یا اعتراض کے مروج ہوئی ہو۔ پس ایسی چیز مُحْدَث کہلاتی ہے۔ اور اس معنی ومفہوم کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیئے، کیونکہ اس کتاب میں جہاں کہیں بھی مُحْدَثْ (بدعت) کا لفظ استعمال ہوگا اس سے یہی معنی مراد ہوں گے۔ (یعنی وہ نئی چیز جو نہ تو خود ان تین زمانوں میں مروج ہوئی ہو اور نہ اس کی نظیر نے اُن زمانوں میں رواج پایا ہو۔)

لفظ "اُمُوْر" کی تحقیق

اب (اس حدیث کے) دوسرے لفظ یعنی "اُمُوْر" کے معنی کی تحقیق کرتے ھیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث میں "امور" سے مراد دینی امر ہے یا دینی کام چنانچہ لفظ اَمْرِنَا جو اس حدیث میں آیا ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ۔ — جو ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات پیدا کرے تو وہ رد ہے۔

صاف طور سے اسی معنی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو امر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے وہ دین ہی کام ہوتا ہے۔

نیز وہ جو مسلمؒ نے حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ دِیْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ رَّاْیِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ ۔ — بے شک میں ایک بشر ہوں، جب میں تمہارے کسی دینی کام کا حکم دوں تو اس کو بجالاؤ، اور جب اپنی رائے سے کوئی حکم (یا مشورہ) دوں تو بے شک میں (بھی) ایک بشر ہوں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلاف کی سیرت کا اتباع دین کے کاموں کے سوا اور کسی کام میں واجب اور ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا نئی بات یا نئی چیز نکالنا دنیوی امور میں منع نہ ہوگا، حالانکہ آپؐ نے محدثات الامور (نئی نکالی ہوئی چیزوں) کو شر فرمایا ہے، تو ضروری ہے کہ لفظِ "امور" سے مراد دین کا کام ہی ہوگا، (نہ کہ مطلقاً ہر کام)۔

"امر دین" کے معنی

اور امر دین (دین کے کام) سے مراد وہ چیز ہے جس سے شارع کے احکام متعلق ہوسکیں، مندرجہ ذیل حدیث کی رُو سے:۔

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ دِیْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ — جب میں تمہیں تمہارے دین کا کوئی حکم دوں تو اس کو (بجالاؤ)۔

استقراء (تلاش وتحقیق) سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی امور صرف اِن باتوں تک محدود ہیں؛ صحیح عقائد، اخلاقِ حسنہ، مقامات واحوال و وارداتِ قلبیہ، اقوالِ لسانیہ (زبانی باتیں) اور افعال جسمانیہ خواہ وہ عبادات کی قسم سے ہوں یا عادات ورسوم سے تعلق رکھتے ہوں یا معاملات ہوں۔ کیونکہ "شارع کے احکام" کا مقصد انسان کی ظاہری اور باطنی اصلاح ہے۔ اب اس کی ظاہری اصلاح تو اس طرح انجام پاسکتی ہے کہ اس کی عبادات

وعادات اور معاملات کی اصلاح کی جائے، اس لئے کہ یہ سب باتیں انسان کے اختیاری افعال واقوال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب رہی اس کے باطن کی اصلاح، تو وہ حاصل ہوسکتی ہے اس کی تکمیلِ عقل سے، صحیح عقائد رکھنے سے، دل کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک رکھنے، اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرنے سے، نیز اس کو مقاماتِ عالیہ، وارداتِ غیبیہ اور حالاتِ قدسیہ کے انوار سے منور رکھنے سے۔

شارع کے احکام سے مراد سمعی احکام ہیں

واضح رہے کہ "شارع کے احکام" سے یہاں مراد سمعی احکام ہیں یعنی وہ احکام کہ شارع کے بتائے بغیر اُن سے واقف ہونا ممکن نہیں (یعنی وہ صرف روایت اور نقل سے معلوم ہوسکتے ہیں) اور عقلِ محض کو اس میں دخل نہیں۔ (یعنی وہ محض عقل سے متعین نہیں کئے جاسکتے) ہمارے اس بیان کی دلیل مذکورہ بالا حدیث کا دوسرا ٹکڑا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے:-

إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّأْيٍ۔ جب میں تم کو اپنی رائے سے کچھ بتاؤں (مشورہ دوں)

تو اس سے معلوم ہوگیا کہ اس حدیث کے پہلے ٹکڑے میں جو اس مذکورہ بالا ٹکڑے کا مقابل ہے وہ احکام واوامر شامل ہیں جن میں رائے اور عقل کو کوئی دخل نہیں ہے

سمعی احکام مذکورہ بالا معنی میں دو قسم کے ہیں:

قسم اول: احکام تکلیفی

(۱) قسم اول یہ ہے کہ مذکورہ بالا امور میں سے کسی چیز کے کرنے کا مطالبہ یا تقاضا کریں، اور اس کے حاصل کرنے کی ترغیب دیں، یا (اگر وہ بات خلافِ شرع یا نقصان دہ ہے تو) اس سے بچنے کا حکم دیں، اور اس سے نفرت دلائیں، مثلاً (رغبت دلانے کے لئے) یوں کہیں کہ فلاں عقیدہ اصل دین کی ضروریات میں سے ہے یا اس کو مکمل کرنے والا ہے۔ یا (نفرت دلانے کے لئے) کہیں کہ فلاں عقیدہ اصلِ دین کو ضرر پہنچائے گا یا اس میں کمی کرے گا۔ مثال کے طور پر عقیدۂ توحید آیاتِ متواترہ کی رو سے اصلِ دین کی ضروریات میں سے ہے، اور بعض احادیث متواترہ کی رو سے تقدیر کے اثبات کا عقیدہ دین کو کامل کرتا ہے (مکملات میں سے ہے) اس کے برخلاف شرک کا عقیدہ اور تقدیر کو نہ ماننے کا عقیدہ بہت سی آیات اور مذکورہ بالا احادیث کی رُو سے اصل دین کے لئے مضر ہے اور اس کو ناقص کرنے والا ہے۔

یا اس طرح کہیں کہ فلاں عادت شریعت کی رو سے اچھی اور قابل تعریف ہے یا بُری اور قابلِ مذمت ہے۔ یعنی اچھی عادت والے آدمی پر رحمتِ حق نازل ہوگی اور بُری اور مذموم عادت والے شخص پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ یا مثلاً رحم دل انسان پر رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے بموجبِ حدیثِ نبوی:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ (مشکوٰة) رحم کرنے والوں پر اللہ تعالٰے رحم فرمائے گا۔

اور سخت دل انسان پر لعنت ہوتی ہے، بموجبِ حدیثِ نبوی:

اَبْعَدُ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ لوگوں میں خدا سے سب سے دور رہنے

اَلْقَلْبُ الْقَاسِیْ (مشکوٰۃ) والا وہ ہے جو سخت دل ہو،

یا اس طرح کہیں کہ فلاں مقام حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، یعنی اُس مقام کی وجہ سے خداوند تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت و وجاہت میں اضافہ ہوگا۔ یا وہ مقام خداوند تعالےٰ سے دوری کا باعث ہے یعنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے بے رُخی برتے گا۔ مثلاً توکّل کرنے والا اللہ تعالےٰ کے نزدیک صاحبِ وجاہت و عزت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ (سورۃ طلاق ۶۵:۳)

جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔

میری امت میں سے ستّر ہزار آدمی بغیر حساب کے داخل ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ منتر پڑھتے ہیں اور نہ شگون لیتے ہیں بلکہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف وہ شخص جو (ظاہری) موہوم اسباب و وسائل کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے وہ مندرجہ ذیل حدیث کی رو سے حقیر و ذلیل ہے:

مَنْ اَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ کُلَّهَا لَمْ یُبَالِ اللّٰهُ بِاَیِّ وَادٍ اَهْلَکَهٗ (مشکوٰۃ: باب التوکل والصبر)

جو کوئی اپنے دل کو سب راہوں کے پیچھے ڈالے گا تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ اس شخص کو کسی وادی میں تباہ کر دے۔

یا یوں کہیں کہ دل میں آنے والی فلاں بات رضائے الٰہی اور خوشنودیِ حق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اور فلاں بات اُس کی ناراضگی کا باعث ہے۔ مثلاً تفرّد (تنہائی اختیار کرنا) یعنی مودّت و محبّت کے معاملہ میں سوائے اللہ کے باقی سب سے قطع تعلق کرنا رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ (سورۃ المجادلہ ۵۸:۲۲)

(اے محمدؐ!) جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت و دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے، خواہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) لکھ دیا ہے، اور اپنی رحمت و نصرت سے ان کی مدد کی ہے، اور وہ انکو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کریگا، ہمیشہ ان میں رہیں گے خدا ان سے خوش وہ خدا سے خوش۔

اور خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی اللہ تعالےٰ کی ناراضگی اور غصہ کا باعث ہے، جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

تم ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ انہوں نے

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُوْنَ۔ (المائدہ ۵: ۸۰)

جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا ہے بُرا ہے (وہ یہ) کہ خدا ان سے ناخوش ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ (مبتلا) رہیں گے۔

یا یوں کہیں کہ فلاں حال اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ کے حصول کا ذریعہ ہے یا فلاں حال اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ سے محرومی و انقطاع کا باعث ہے۔ مثلاً توبہ کا حال جنابِ باریٔ تعالیٰ کی خاص توجہ کے حصول کا ذریعہ ہے، جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے:

لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا وَقَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ

جب بندہ خدا سے توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے، وہ اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کا سواری کا اونٹ ایک بے آب و گیاہ زمین میں گم ہو گیا ہو اور اس پر اس کا کھانا پانی بھی رکھا ہو، وہ (تلاش کے بعد) اس سے مایوس ہو کر درخت کے سایہ میں آکر لیٹ گیا ہو، وہ اپنی سواری کا جانور ملنے سے بالکل نا امید تھا کہ اچانک وہ جانور اس کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اس کی مہار پکڑ لیتا ہے اور انتہائی خوش ہو کر کہنے لگتا ہے " اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں"، یہ غلطی انتہائی خوشی

(مسلم عن انس بن مالکؓ)

کی وجہ سے اس سے ہو جاتی ہے (تو خدا تعالیٰ بندہ کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے)۔

٭ ٭ ٭

اور دین میں مداہنت (ڈھیلا پن) جس کو صلحِ کل کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توجہ اور نظرِ عنایت کے ہٹنے اور منقطع ہونے کا سبب ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں آیا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کی طرف وحی فرمائی (اور حکم دیا) کہ فلاں شہر کو مع اس کے باشندوں کے اُلٹ دے۔ جبرئیلؑ نے عرض کی: اے پروردگار! ان لوگوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے ایک لمحہ بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شہر کو اور باشندوں کے ساتھ اس پر بھی الٹ دے، کیونکہ (شہر والوں کے کرتوتوں پر) میری خاطر اس کا چہرہ ایک گھڑی بھر بھی متغیر نہیں ہوا (اور نہ اس کا دل رنجیدہ ہوا)

٭ ٭ ٭

یا یوں کہیں کہ فلاں عبادت جنّت میں درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے، یا فلاں گناہ دوزخ کی گہرائیوں میں گرائے جانے کا سبب ہے۔ جیسا کہ جہاد کرنا جنّت میں بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے بحکم آیت مذکورہ ذیل:

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء ۴ : ۹۶)

خدا نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے لحاظ سے بہت فضیلت دی ہے (یعنی) خدا کی طرف سے درجات میں اور بخشش میں اور رحمت میں اور خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اور مومن کو قتل کرنا دوزخ کی گہرائیوں میں گرنے کا سبب ہے بحکم آیۂ کریمۂ ذیل:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (النساء ۴ : ۹۳)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا۔

یا یوں کہیں کہ فلاں عادت (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) اچھی ہے اور فلاں عادت بری ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل حدیث کی رو سے خوشبو وغیرہ لگانے اور دیگر چیزوں میں طاق عدد کی پابندی رکھنا مستحسن ہے:

وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ وَمَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ۔ (مشکوۃ)

اور جو کوئی ڈھیلے لے تو چاہیئے کہ طاق عدد میں لے۔ پس جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کچھ گناہ نہیں ہے۔

اور مذکورہ ذیل حدیث کی رو سے بائیں ہاتھ سے کھانا برا ہے:

لَا يَاْكُلْ اَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ

تم میں سے کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ

فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهٖ (مشکوۃ)

سے نہ کھائے کیونکہ اپنے بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے۔

یا یوں کہیں کہ فلاں معاملہ آخرت میں نفع دے گا۔ فلاں معاملہ آخرت میں نقصان پہنچائے گا۔ مثلاً سچ اور امانتداری کے ساتھ تجارت کا معاملہ آخرت میں نفع دے گا بموجب اس حدیث کے:-

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ۔ (مشکوۃ)

سچ بولنے والا اور امانتدار تاجر نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ ہوگا۔

اور سود و ربا کا معاملہ آخرت میں نقصان دے گا بحکم آیۂ کریمۂ ذیل:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ (البقرہ ۲ : ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

الغرض شارع کی دیگر تمام عبارتوں اور جملوں کو جو آخرت کے سلسلہ میں ترغیب دینے یا ڈرانے کے لئے وارد ہوئی ہیں ان مذکورہ بالا عبارتوں پر ہی قیاس کرنا چاہیئے۔ اور اس باب میں جتنی بھی عبارتیں اور جملے استعمال ہوتے ہیں ان کا مضمون بنیادی طور پر یہی ہے کہ فلاں امر آخرت میں فائدہ مند ہے یا نقصان دہ ہے۔ لہٰذا محض اس بات کی تحقیق کر لینا کہ فلاں مسئلہ

حقیقت میں صحیح ہے یا غلط، یا یہ کہ فلاں عادت عرف میں اچھی ہے یا بری، قابلِ تعریف ہے یا قابلِ مذمت ، یا یہ کہ فلاں مقام یا وارد یا حالِ نفس کے کمال کا باعث ہے یا نقصان کا، یا یہ کہ فلاں عبادت یا عادت یا معاملہ دنیوی منافع و مصالح کا حامل ہے یا دنیوی مضرتوں اور نقصانات کا۔ اور اسی طرح کی دیگر تحقیقات اور باریکیاں جو آخرت کے نفع و نقصان سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں ہماری اس موجودہ بحث و گفتگو سے یعنی مذکورہ بالا احکام کی بحث سے خارج ہیں۔

اور ان مذکورہ بالا احکام کو "احکامِ تکلیفی" کہتے ہیں۔

قسم دوم : احکامِ وصفی

(۲) قسم دوم یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی عبادت کا رکن قرار دے دیں یا کسی چیز کو معاملات میں سے کسی معاملہ کا رکن یا شرط یا لازمہ قرار دیں، یا اس چیز کو کسی عبادت کی کامل کرنے والی صورت و ہیئت شمار کریں۔ اس قسم کے احکام کو "احکامِ وصفی" کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب بحثِ ثانی میں بیان ہوگی۔

پس یہاں امرِ دین سے مراد یہی حکمِ سمعی ہے خواہ وہ (اس کی قسم اول) حکمِ تکلیفی ہو یا (اسکی قسم دوم) حکمِ وصفی ہو۔

بدعتِ اصلیہ کے مفہوم کا خلاصہ

پس بدعتِ اصلیہ کے مفہوم و معنی کا خلاصہ یہ ہوگا کہ جو عقیدہ

یا مقام یا حال یا وارد (وارداتِ قلب) یا عبادت یا عادت یا معاملہ مذکورہ بالا معنوں میں محدَث (نیا نکالا ہوا) ہوگا اور اس کا کرنے والا اس کو آخرت میں فائدہ مند سمجھ کر اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے یا اس عمل کو آخرت میں مُضر و نقصان دہ سمجھ کر اس سے اجتناب کرے، یا اس کو کسی عبادت یا معاملہ کا رُکن یا شرط یا لازمہ قرار دے کر اس کو عمل میں لائے، یا اس کو کسی عبادت یا معاملہ کے منافی اور خلاف سمجھ کر اس سے اجتناب و پرہیز کرے تو اس کو ہم بدعتِ اصلیہ کہتے ہیں، پس کلمہ محدثات الامور جو کہ مذکورہ بالا تین حدیثوں میں سے پہلی حدیث میں آیا ہے اس سے یہی معنی مراد ہیں۔

بحث دوم

بدعتِ وصفیہ کے مفہوم کی تحقیق

واضح رہے کہ اس بحث کا دار و مدار مذکورۃ الصدر ان تینوں حدیثوں میں سے دوسری حدیث پر ہے، یعنی اس حدیث پر:

مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات جاری کی جو ہمارے دین میں نہ ہو تو وہ رد ہے (یعنی مردود ہے اور قابلِ قبول نہیں ہے)

معلوم ہونا چاہیے کہ بدعتِ وصفیہ کے معنی و مفہوم کی تحقیق کرنا مندرجہ بالا حدیث کے تین کلموں کے معنی کی تحقیق پر موقوف ہے، یعنی اول مفہوم کلمہ "اَحْدَثَ"، دوم مفہومِ کلمہ "اَمْرِنَا"، سوم مفہومِ کلمہ "مَا" موصولہ۔

کلمہ "مَا" کے مفہوم کی تحقیق

پہلے دو کلموں کی تحقیق تو گزشتہ بحث اول میں ذکر ہو چکی ہے۔ اب جہاں تک تیسرے کلمہ "مَا" کے مفہوم کی تحقیق کا تعلق ہے تو جاننا چاہیے کہ

مائے موصولہ کا مدلول یعنی جس پر مائے موصولہ دلالت کرتا ہے ایسی چیز ہے جو ہر معنی و مفہوم پر صادق آتا اور بولا جاتا ہے۔ لیکن استعمال کے مقامات میں دو وجہ سے اکثر مخصص (یعنی خاص کے معنی میں) ہوتا ہے۔ اول اپنے صلہ کی وجہ سے دوم اس کے سیاق و سباق کے پیشِ نظر اور متکلم اور سامع (مخاطب) کے حال پر غور کرنے کے سبب، اور موقع و محلِ گفتگو کی رعایت و لحاظ کی وجہ سے۔ مثلاً اگر کوئی یوں کہے کہ جاہل کو علماء کے امور و معاملات میں کوئی ایسی چیز پیدا (یا ایجاد) نہیں کرنی چاہیے جو اُن میں متداول اور مروج نہ ہو۔ پس جس طرح اس مذکورہ نو ایجاد چیز کا علماء کے درمیان متداول نہ ہونے کے ساتھ مخصوص ہونا مذکورہ بالا کلام سے ظاہر ہے اُسی طرح مذکورہ بالا کلام سے محاورہ اور عُرف میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ جاہل و بے علم کو ایسی چیز کے جاری کرنے یا نکالنے سے منع کیا ہے جو علمی مقدمات کی قسم سے ہے کہ علماء خود اپنے علم کے ذریعہ سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اربابِ دانش اپنی عقل و دانش سے اس میں مشغول رہتے ہیں جیسے نئی کتاب تصنیف کرنا یا تقریر و تحریر یا مطالعہ و مناظرہ کے فنون میں نئی طرز ایجاد کرنا یا نئے مسئلوں کا استخراج کرنا اور جواب نکالنا۔ لیکن اس کو نئے طرز کا لباس ایجاد کرنے یا کھانے اور مکان کے نئے طرز اختراع کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے، یا اسی طرح کے اور ایسے کاموں سے جو مقدماتِ علمیہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتے، اگرچہ علماء بھی اپنی بشری ضروریات پوری کرنے کی وجہ سے ان امور کا شغل رکھتے ہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا حدیث سے بھی اہلِ عُرف کی سمجھ میں یہی معنی ظاہر و معلوم ہوتے ہیں کہ جو کوئی ایسی چیز نکالے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے منصبِ

نبوت کی بنا پر اس کی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں تو وہ چیز مردود یعنی قابلِ رد اور ناجائز ہے۔

انبیاءؑ کا کارِ منصبی

لہٰذا اب یہ دیکھنا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام امورِ دین میں کس چیز کے بیان کا اہتمام کیا کرتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آخرت میں نفع پہنچانے والے امور کی طرف رغبت دلانا اور ضرر پہنچانے والے امور سے نفرت دلانا نبوت کے منصب کا خاصہ ہے، جیسا کہ پہلی بحث میں ذکر ہو چکا ہے، اور اس کو دین کہتے ہیں، اور یہ سب آسمانی دینوں میں مشترک بات ہے جیسا کہ اس آیتِ کریمہ میں بیان ہوا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى (سورۃ شوریٰ ۴۲ : ۱۳)

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا۔

اسی طرح اُمورِ مذکورہ (بالا) کی حدود مقرر کرنا اور ان امور کی خاص صورتوں کو مخصوص و متعین کرنا جو کہ آخرت کے نفع و نقصان میں دخل رکھتے ہیں، یہ مرتبہ بھی انبیاء علیہم السلام کے منصبِ رسالت کا خاصہ ہے، اور اس کو شریعت و منہاج کہتے ہیں اور اس کی ظاہری شکل ہر رسولؑ کے عہد میں بدلتی رہتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (سورۂ مائدہ ۵ : ۵۱)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راستہ بنایا۔

مثلاً نماز کی اور نکاح کی ترغیب دینا، اور شرک و زنا سے نفرت دلانا دین کے (اُن) اصولوں کی تعلیم میں داخل ہے (جو سب انبیاء میں مشترک ہے) لیکن نماز کی تفصیلات طے کرنا یعنی اس کے اوقات، اس کی رکعتوں کی تعداد اور شروط وغیرہ کا تعین کرنا۔ یا نکاح کی ظاہری شکل متعین کرنا یعنی اس کے لئے ایجاب و قبول، گواہوں کی موجودگی اور مہر وغیرہ کو ضروری قرار دینا، یا شرک کی حقیقت واضح کرنا کہ وہ شگون لینے اور غیر اللہ کی قسم کھانے کا نام ہے، یا زنا کی تعریف اور تحدید کرنا کہ یہ جب ہوگا جبکہ اس میں ملکیت یا ملکیت سے ملتی جلتی کوئی اور شکل نہ پائی جائے، یا زنا کی حد اور سزا مقرر کرنا کہ وہ کوڑے لگانا ہے یا سنگسار کرنا وغیرہ۔ یہ سب تفصیلات اور جزئیات طے کرنا دراصل تشریع (قانون سازی و شریعت کے تعین) سے تعلق رکھتا ہے (جو انبیاء کا منصب ہے)۔

تشریع کے دو طریقے: لزوم و تکمیل

پس جس طرح پہلی بحث کی تحقیق دین کے امور کی تفصیل پر موقوف تھی اسی طرح اس بحث کی تحقیق ابوابِ تشریع کی تفصیل پر موقوف ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اصولِ دین کے لئے مخصوص صورتوں کا معین ہونا اور معینہ حدود میں ان کی حد بندی کرنا شارع (خداتعالیٰ اور رسولؐ) کی جانب سے دو طرح پر یا

دو طریقوں سے ثابت ہوتا ہے:

اول بطریقِ لزوم، یعنی اس طرح سے اس کو معین کریں کہ دین کی مذکورہ اصل بغیر اُس مخصوص صورت کے شارع کی نظر میں معتبر نہیں ہے یا کالعدم ہے۔

دوم بطریقِ تکمیل، یعنی اس طور سے اس کو معین فرمائیں کہ جب (دین کی) وہ اصلِ مذکور اس مخصوص صورت میں واقع ہو جائے تو شارع کی نظر میں بہت مستحسن اور اچھا ہوگا۔ پس وہ صورتِ معینہ شرعی استحسان (عمدہ سمجھنے) میں دخل رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو مگر اس اصلِ مذکور کے ثابت ہونے میں ضرور دخل رکھتی ہے

ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کی بعض وجوہات کی بنا پر کئی قسمیں ہو جاتی ہیں جن میں سے چند اقسام کا ہم یہاں بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

ابوابِ تشریع کی تفصیل

کسی امر کا اجرا و نفاذ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ دینی امور میں سے کسی امر کو جاری کیا جائے، یا تو اس کو اس طرح معین و مقرر کیا جائے کہ اس پر عمل کرنا لازمی ہو مثلاً نماز کے سلسلہ میں قیام (کھڑا ہونا)، قرأت، رکوع اور سجود کا تعین کرنا، اور نکاح کے لئے ایجاب و قبول کو (لازمی) قرار دینا، یا (یہ امر بطورِ لزوم کے مقرر نہ ہو بلکہ محض) تکمیل کے طور پر (معین) ہو مثلاً نماز میں (رکوع کے بعد) قومہ، (سجدوں کے بعد) جلسہ یعنی بیٹھنا اور تسبیحات وغیرہ کا تعین، اور قرض حسنہ کے ادا کرنے کے سلسلہ میں اصل رقم سے کچھ زائد دینے کا تعین اس شرط پر کہ پہلے سے زائد دینا مقرر نہ کیا ہو۔

اوقات کا تعین منجملہ اُن کے، اوقات کا تعین ہے، یا تو بطورِ لزوم کے، مثلاً (فرض) نمازیں ادا ہونے کے لئے پانچ اوقات (کا تعین)، (فرض) روزوں کے لئے ماہ رمضان (کا تعین)، حج کے لئے ماہ ذی الحجہ کا تعین اور زکوٰۃ کے لئے پورا سال گزرنا وغیرہ اور جمعہ کی اذان کا وقت معاملاتِ (بیع ختم کرنے) کے لئے، اور شوال کی پہلی اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ عبادت کرنے کے لئے۔

یا (یہ اوقات بطورِ لزوم کے نہ ہوں بلکہ) بطورِ تکمیل کے معین ہوں مثلاً قیام (نفل نمازوں) کے لئے رمضان کی راتوں اور وسط شعبان کی رات کا تعین، تہجد کے لئے پچھلی آدھی رات، اور اشراق کی نماز کے لئے سورج کے بلند ہونے کا وقت، اور (نفلی) روزوں کے لئے (ہر ماہ کے) ایام بیض (یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ)، اور شوال کے چھ دن، اور عرفہ کا دن، اور عاشورہ (۱۰ محرم) کا دن، اور پندرہ شعبان، اور عمرہ کے لئے ماہ رمضان، اور عقیقہ کے لئے (بچہ کی) ولادت کا ساتواں دن، اور سفر کے لئے جمعرات اور پیر کا دن، اور اسی طرح کے اوقات (جو شارع نے مقرر کئے ہیں)۔ ایسے مواقع جن کے اوقات کی تعیین شارعؑ کی طرف سے ہوئی ہے اتنے ہیں کہ ان کی گنتی ممکن نہیں ہے۔

مقامات کا تعین منجملہ اُن کے، جگہوں کا تعین ہے، یہ یا تو بطورِ لزوم کے ہوتا ہے (کہ اس کی پابندی لازمی ہے)، مثلاً نماز کے لئے پاک جگہ ضروری قرار دینا لیکن وہ مقبرہ یا حمام نہ ہو۔ اور نماز جمعہ و عیدین کے لئے شہر کو ضروری قرار دینا۔ اور اعتکاف کے لئے مساجد، اور احرام باندھنے کے لئے (مختلف) میقاتوں (و مقامات)، کا تعین، اور حج و عمرہ کے لئے حرم، کعبہ، عرفات، منیٰ، مزدلفہ،

اور صفا و مروہ کا تعین، اور (دنیوی) معاملات طے کرنے کے لئے مسجد کے سوا اور جگہ مقرر کرنا۔

یا یہ (تعین مقام) بطور تکمیل کے ہو، مثلاً فرض نمازوں اور عقد نکاح کے لئے مساجد کا تعین، اور نفل نماز و تلاوتِ قرآن کے لئے گھروں کا تعین، اور دعاؤں کے لئے حرمین (مکہ و مدینہ) کے بعض مخصوص مقامات کا تعین، اور نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد، اور نماز عید و استسقاء اور دفنِ میت کے لئے کھلے میدان کا تعین۔ اسی طرح آخرت کو یاد کرنے اور اہل قبور کے واسطے دعائے استغفار کے لئے قبرستان کا تعین، اور اُخروی منفعت کے حصول کی خاطر جن مقامات کا قصدِ سفر جائز ہے اُس سلسلہ میں صرف تین مساجد کا تعین (یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) الغرض اس قسم کے اور بہت سے مقامات کا تعین ہے جو کثرت و تعداد میں اوقات کی طرح ہیں۔

تعداد کا تعین | منجملہ اُن کے، اعداد و شمار کا تعین ہے، جو یا تو بطور لزوم کے ہوتا ہے، مثلاً فرض نمازوں کی تعدادِ رکعات، فرض روزوں اور کفارہ کے روزوں کی تعداد، کفارہ (کا کھانا کھلانا) کے لئے مسکینوں کی تعداد، (حج میں) طواف کی تعداد اور (رمی جمار کے لئے) کنکریوں کی تعداد۔ اسی طرح معاملات اور حدود میں اعداد کا تعین، عدت کی مدت تین حیض یا تین ماہ یا چار ماہ دس روز یا مدتِ حمل مقرر کرنا، یا ایلاء[ے] کے لئے چار ماہ اور (بیع میں) خیار کے واسطے تین روز کی مدت معین کرنا وغیرہ۔

ے ایلاء یعنی بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھانا ۱۲ مترجم

یا یہ بطور تکمیل کے ہوتا ہے، مثلاً نفل نمازوں کی تعدادِ رکعات کا تعین، ارکان نماز میں اور نماز سے فراغت کے بعد نیز صلوٰۃ التسبیح میں تسبیحات کی تعداد کا تعین، اسی طرح (نفلی) روزوں کے لئے شوال کے چھ دن اور ہر ماہ کے تین دن کا تعین، اور تمام امور و عادات میں طاق عدد کو ملحوظ رکھنا سب اسی قبیل سے ہے۔ الغرض تعداد کے تعین کی مثالیں بھی، اوقات و مقامات کے تعین کی طرح بے شمار ہیں۔

اعضاء و جوارح کے افعال کا تعین | منجملہ ان کے، فاعل کے بعض اعضاء و جوارح کو اس کے چند مخصوص افعال کے لئے معین کرنا ہے، اور اس کے دوسرے اعضاء و جوارح کو دیگر افعال و اعمال کے لئے۔ خواہ یہ بطریقِ لزوم ہو یا بطریقِ تکمیل۔ مثلاً عبادات اور کنایاتِ طلاق وغیرہ میں نیت کے لئے قلب کو مخصوص کرنا، اور معاملات میں رضامندی کا معاملہ بھی قلب کے ساتھ متعین کرنا، اور قراءت کرنے اور عقد و معاملات طے کرنے کے لئے زبان کو معین کرنا، اور سجدہ کے لئے سات اعضاء کا تعین۔ سب اسی کی مثالیں ہیں۔

مخصوص ہیئت کا تعین | منجملہ اُن کے، ایک مخصوص ہیئت کا تعین ہے، خواہ بطریقِ لزوم ہو یا بطریقِ تکمیل، مثلاً نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا، ستر پوشی کرنا، سیدھے کھڑے ہونا، قیام میں ہاتھ باندھنا، اور اسی طرح کی دیگر شرعی ہیئات مثلاً تعدیلِ[لہ] ارکان وغیرہ جو نماز میں مشروع ہیں۔ اور اسی طرح حج میں مشروع ہیئات مثلاً احرام باندھنا، رمل (طواف میں کندھے ہلا کر

لہ تعدیلِ ارکان یعنی سب ارکان کو پورا ادا کرنا اور برابر کرنا۔

دوڑنا)، سعی (صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا)، تلبیہ (لبیک کہنا) اور کنکریاں مارنا اور اسی طرح کی دیگر ہیئات جو حج کے باب میں آتی ہیں۔ اور تمام عبادات و افعال و عادات میں دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم کرنا، اور تمام عبادات میں مسنون طریقے بھی اسی کی مثالیں ہیں۔

ابتدائی مقدمات کا تعین منجملہ اُن کے، ابتدائی مقدمات کا معین کرنا ہے خواہ وہ بطریقِ لزوم ہو کہ ایسی حالت میں ان کو شروط کہتے ہیں، یا بطریقِ تکمیل کہ اس حالت میں ان کو تمہیدات کہتے ہیں، مثلاً نماز (پنجگانہ) کے لئے عموماً اور نماز جمعہ و عیدین کے لئے خصوصاً غسل یا وضو یا تیمم کا تعین، اسی طرح نماز جنازہ پڑھنے، میت کو اٹھانے قرآن مجید کو چھونے اور اس کو پڑھنے اور احرام باندھنے بلکہ تمام عبادات سے قبل غسل کرنے یا وضو یا تیمم کرنے کی پابندی۔ اسی طرح نماز میں تکبیر تحریمہ سے پہلے اذان و اقامت اور سُنن مؤکدہ اور اذکار مسنونہ کا تعین اور نماز جمعہ میں صفائی پاکیزگی، خوشبو لگانے اور نیا لباس پہننے اور خطبہ دینے کو (نماز سے) مقدم کرنا۔ اور روزوں میں سحری کھانے کو مقدم رکھنا، اور نکاح کے موقع پر خطبۂ نکاح، ولی یا مالک کی اجازت اور گواہوں کی موجودگی کو (سب باتوں سے) مقدم رکھنا۔ اور اسی طرح معاملات خرید و فروخت میں بھاؤ تاؤ کرنے اور قیمت چکانے اور مال کے مالک یا اس کے ولی و آقا کی اجازت یا خریدار کے موکل کی منظوری و اجازت کو مقدم کرنا۔ اور اسی طرح تمام عبادات اور عادات و افعال میں بسم اللہ پہلے کہنا، اور تمام بڑے کاموں میں استخارہ اور خطبہ کو مقدم کرنا، اور اسی طرح کے دیگر اُمور ہیں جو دوسرے کاموں کی تمہید کے طور پر مشروع ہوتے ہیں، وہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔

عبادات و معاملات کے آخری عمل کا تعین منجملہ اُن کے، بعض امور کو عبادات و معاملات کے آخر میں معین کرنا ہے، خواہ یہ بطریقِ لزوم ہو یا بطریقِ تکمیل، جیسے نماز میں سلام پھیرنے کے بعد اذکار مسنونہ پڑھنا، سُنن مؤکدہ ادا کرنا اور طلوعِ آفتاب تک مصلّے پر بیٹھے رہنا اور حج میں طوافِ وداع، مقام ملتزم کو پکڑنا، خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹنا اور لپٹنا، اور کعبہ کی چوکھٹ کو چومنا، آبِ زمزم پینا، (خانۂ کعبہ سے) الٹے پاؤں لوٹنا، مسجد نبوی اور مسجد قبا کی زیارت معین کرنا، اور اسی طرح نکاح میں مہر کا لازم ہونا، دعائے برکت، دعوت ولیمہ اور کسی قدر مہر جلد ادا کرنا، اور اسی طرح طلاق میں عدت کا لازم ہونا، اور ہبہ و بیع صرف میں قبضہ کا ضروری ہونا، الغرض عبادات و معاملات میں اور بہت سے لازمی امور ہیں جن کا تعین شریعت سے ثابت ہے۔

مصارف اور مقامات افعال کا تعین منجملہ اُن کے، اموال کے مصارف اور افعال کے مقامات کا تعین ہے، جیسے مصارفِ زکوٰۃ کا تعین ہے، اور صدقات کے باب میں زکوٰۃ کے علاوہ نذر و کفارات اور صدقۂ عید الفطر کے مصارف کا تعین ہے (کہ انہیں کہاں خرچ کیا جائے اور کس کو دیا جائے) اور نکاح کے باب میں غیر محرم مومن عورتوں کا تعین ہے (کہ صرف انہی سے نکاح کیا جائے)، اور بیع (خرید و فروخت) کے باب میں ایسے اموالِ (تجارت) کا تعین ہے جو اپنی ذات سے حرام نہ ہوں (کہ صرف انہی کو خریدا یا بیچا جائے)، اور اطاعت کے باب میں اولی الامر (صاحب اقتدار) کا تعین (کہ ان کی اطاعت کی جائے)۔

مقداروں کا تعین منجملہ اُن کے، مقادیر کا معین کرنا ہے (یعنی ہر چیز کی

مقدار جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے) جیسے قلتین[1] کا تعین، عورتوں اور مردوں کے لئے ستر لوپشی کی الگ الگ حد کا تعین، زکوٰۃ کی مقدار (شرح) اور نصاب کا تعین، صدقۂ عید الفطر اور (روزوں کے) فدیہ کی مقدار کا تعین، اموالِ ربویہ[2] کے باہمی تبادلہ کے وقت اُن کے برابر برابر ہونے کا تعین۔ اور اسی طرح کی دیگر مثالیں ہیں۔

مخصوص مواقع کیلئے مخصوص الفاظ کا تعین منجملہ اُن کے، مخصوص مواقع کے لئے چند مخصوص الفاظ کا تعین ہے، مثلاً فرض نمازوں کے لئے اذان واقامت (کے الفاظ) کا تعین۔ قرأتِ قرآن سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ (کے الفاظ کا تعین)، نماز میں قیام کے وقت قرأتِ قرآن کا تعین، اور رکوع وسجدوں میں تسبیحات[3] کا تعین، اور پہلے قعدہ میں (صرف) تشہد (التحیات) اور دوسرے قعدہ میں (التحیات کے علاوہ) درود ودعا کا تعین، اور نماز سے پہلے اور نماز کے بعد مخصوص اذکار کا تعین اور احرام میں تلبیہ (لبیک کہنا) اور ایام تشریق میں تکبیرات کا تعین، اور طلاق کے باب میں صریح الفاظ اور کنایہ کے الفاظ (دونوں کے نافذ ہونے) کا تعین، اور نکاح ودیگر تمام معاملات میں ایجاب وقبول کے الفاظ کا تعین، اور قسم وحلف کے

لہ قُلہ مائع اشیاء کا ایک پیمانہ ہے۔ تعینِ قُلتین کا یہ مطلب ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر پانی دو قلہ سے زیادہ ہوگا تو اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرے گی وہ پاک رہے گا۔ ۱۲ مترجم

ٹہ اموالِ ربویہ سے مراد وہ مال جن کے باہمی تبادلہ میں اگر ان کی مقدار مختلف ہو یا دست بدست تبادلہ نہ کیا جائے تو وہ معاملہ سود (ربا) کے زمرہ میں آجائے گا، یہ چھ اشیاء ہیں؛ سونا، چاندی، چھوہارا، گیہوں، نمک اور جو۔ ان کا ذکر حدیثِ نبوی میں صراحت کے ساتھ موجود ہے ۱۲ مترجم

ٹہ یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ، اور سجدوں میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کا تعین ۱۲ مترجم

ب میں اسماء وصفاتِ الٰہی کا تعین، اور ہر موقع ومحل کیلئے مخصوص دعاؤں کا تعین، مثلاً [illegible] کے وقت، سوتے وقت، جاگنے کے بعد، نعمت حاصل ہونے کے بعد، مصیبت کے وقت، خوشی حاصل ہونے کے وقت، اور رنج وغم اور ہجومِ مصائب کے وقت، الغرض خوشی اور غم کے ہر موقع کے لئے ایک خاص ذکر اور خاص دعا مقرر کی گئی ہے۔

اذکار وادعیہ کے طرزِ ادا کا تعین منجملہ اُن کے، ان دعاؤں اور اذکار کی صفت (طرزِ ادا) کا تعین ہے۔ (کہ وہ کس طرح ادا کئے جائیں)۔ جیسے اذان واقامت کو جہر سے (بآوازِ بلند) کہنا اور جہری[1] نمازوں میں قرأت بآواز بلند کرنا۔ اور (حج میں) تلبیہ اور علم نماز[illegible] وعیدین میں تکبیریں بلند آواز سے کہنا، لیکن دوسرے مواقع پہ آہستہ آواز سے پڑھنا مقرر کیا گیا ہے خصوصاً دعا کے وقت۔

اقسام اموال کا تعین منجملہ اُن کے، اموال کی اقسام کا تعین ہے، مثلاً بعض قسم کے اموال کا تعین زکوٰۃ کے باب میں ہے (کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی) اور بعض اموال کا تعین ربا کے باب میں ہے (کہ ان کے تبادلہ کی صورت میں ربا لازم آئیگا جبکہ وہ تبادلہ مساوی مقدار میں نہ ہو یا دست بدست نہ ہو) اور اسی طرح چار قسم کے جانوروں کا تعین قربانی کے باب میں ہے جبکہ ان کی ایک مخصوص عمر ہو اور وہ (جسمانی) عیب سے محفوظ ہوں۔

لباس اور اس کے رنگوں کا تعین منجملہ اُن کے، لباس اور اس کے رنگوں کا معین کرنا ہے، مثلاً ریشمی لباس، اور سونے چاندی کے زیور اور سُرخ (رنگ) وزرد رنگ کا لباس صرف عورتوں کے لئے (جائز کیا گیا ہے)۔

لہ جہری نمازیں یعنی فجر، مغرب وعشاء، نیز جمعہ وعیدین کی نمازیں جن میں جہر سے قرأت ہوتی ہے ۱۲ مترجم

علانیہ اور مخفی ادا کئے جانے والے امور کا تعین | منجملہ اُن کے، بعض اُمور کو علانیہ کرنے اور ان کو شہرت دینے کا حکم ہوا ہے (اور بعض کو پوشیدہ طور پر انجام دینے کا حکم ہوا ہے) مثلاً فرض عبادات، نمازِ جنازہ، کفار سے جہاد، حدودِ (شرعیہ) کا نفاذ اور عقدِ نکاح یہ سب ظاہر اور علانیہ سر انجام دینے قرار پاتے ہیں۔ اور (اس کے برعکس) نفل عبادات اور زیارتِ قبور (بغیر کسی اعلان و اظہار کے) پوشیدہ طور پر سر انجام دینے قرار پاتے ہیں۔

اجتماعی طور پر اور انفرادی طور پر ادا کئے جانیوالے اعمال و افعال | منجملہ اُن کے، بعض افعال و اعمال اجتماعی حیثیت سے انجام دینے کے لئے مخصوص ہیں، اور بعض انفرادی حیثیت سے، مثلاً نماز جمعہ و عیدین، نمازِ پنجگانہ، نماز تراویح، صلوٰۃ الکسوف والخسوف (چاند گہن اور سورج گہن کی نماز)، نماز استسقاء (بارش کے لئے نماز)، نیز نمازِ جنازہ، حج، جہاد اور نکاح سب اجتماعی طور پر سر انجام دینے مشروع ہوئے ہیں، جبکہ مذکورہ بالا نوافل کے سوا دیگر نوافل اور زیارتِ قبور انفرادی طور پر کرنے کا حکم ہے۔

فدیہ، قضا اور تلافیٔ نقصان کے طریقوں کا تعین | منجملہ اُن کے نقصان کی تلافی اور کمی کو پورا کرنے کے مختلف طریقوں کا تعین ہے، مثلاً فوت شدہ عبادت کی قضا کرنا یا اس کا فدیہ دینا، یا مثلاً اگر غصب کی ہوئی چیز غاصب کے پاس تلف ہو جائے (یا مر جائے یا برباد ہو جاتے) یا امانت رکھی ہوئی چیز امین کے پاس تلف ہو جائے تو اس تلف شدہ چیز جیسی دوسری چیز دینا یا اس کی قیمت دینا (مقرر ہوا ہے)۔ یا مثلاً جنایتِ خطا کی صورت میں دیتِ نفس (خونبہا) یا دیتِ اعضاء ادا کرنا

(مشروع ہوا ہے)۔ اسی طرح کی اور مثالیں ہیں۔

عبادات، معاملات اور جنایات کے نتائج و ثمرات کا تعین | منجملہ اُن کے، عبادات، معاملات یا جنایات کے باب میں نتائج و ثمرات کا تعین ہے۔ مثلاً عبادات سر انجام دینے سے دنیا میں ذمہ اور فرض کی ادائیگی و فراغت ہو جاتی ہے اور آخرت میں اجرِ خاص کا استحقاق ہو جاتا ہے۔ اور نکاح (کے مشروع ہونے) سے لذت اندوزی حلال ہو جاتی ہے اور نسب ثابت ہو جاتا ہے، اور طلاق دینے سے (مطلقہ عورت کو) عدت لازم ہو جاتی ہے، اور بیع سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اور جنایات (جرائم و گناہ) کے باب میں حدود، تعزیرات اور کفارات لازم ہو جاتے ہیں۔

الغرض یہ تمام مذکورہ بالا صورتیں اور ان کی جیسی تحدیداتِ شرعیہ کی دوسری مثالیں سب "تشریع" کے ابواب سے تعلق رکھتی ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ ۲ : ۲۲۹)

یہ اللہ تعالیٰ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں ان سے تجاوز مت کرو، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

اور اس حدیث شریف میں بھی انہی کی طرف اشارہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تُضَيِّعُوْهَا۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ حدیں مقرر فرمائی ہیں، تو ان حدود کو ضائع مت کرو۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

دینی امور میں مراتب کا لحاظ

اس مقام پر (بیان کرنے کے لائق) ایک ایسا باب ہے جس کا دامن طویل ہے اور ماخذ دقیق ہے، اور وہ علمائے ربانیین (کے فکر کی) جولان گاہ ہے۔ وہ باب ہے دینی امور میں مراتب کا خیال رکھنا اور شرعی احکام میں درجوں کو ملحوظ رکھنا۔

اس باب کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی عالم ربانی کسی ایسے شرعی امر پر غور کرتا ہے جو کئی امور کا مرکب ہے (اور کئی پہلو رکھتا ہے) تو وہ اس امر سے متعلق شرعی دلائل کو اپنے ذہن میں لاتا ہے، (ایسی صورت میں) لازمی ہے کہ اس پر یہ واضح ہو جائے گا کہ اگرچہ وہ مذکورہ بالا سب امور شارع (خدا تعالیٰ) کی نظر میں مستحسن و مرغوب ہیں لیکن ان میں سے بعض امور کا اہتمام دیگر امور سے زیادہ کیا گیا ہے۔ مثلاً نماز اپنے تمام ارکان و ہیئات و شروط کے ساتھ مطلوب و مقصود ہے لیکن جو اہتمام اس کے ارکان و شروط سے تعلق رکھتا ہے وہ اہتمام اس کی دوسری چیزوں سے وابستہ نہیں ہے۔ (اسی طرح) جو اہتمام طہارت و پاکیزگی کے ساتھ متعلق ہے وہ قبلہ کی طرف منہ کرنے میں نہیں ہے۔ اسی لئے بعض اوقات قبلہ کی طرف منہ کرنا ساقط و موقوف ہو جاتا ہے۔ بخلاف طہارت کے (کہ وہ کبھی ساقط و موقوف نہیں ہوتی)۔

اسی طرح جو اہتمام (نماز میں) سورۂ فاتحہ کے پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے وہ اور سورتوں کے ساتھ نہیں ہے، اسی لئے نماز کی آخری دو رکعتوں میں (سورۂ فاتحہ کے سوا) اور سورتوں کا پڑھنا ساقط ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی عالم ربانی جو وسیع العلم اور لطیف الذہن (زیرک)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت (اور عادات و خصائل) پر غور کریگا تو اس پر یہ ضرور واضح اور روشن ہو جائے گا کہ اگرچہ وہ تمام باتیں جن پر آپؐ کی سیرت مشتمل ہے (اور وہ تمام عادات و خصائل جو آپؐ کی سیرت میں پائے جاتے ہیں) وہ سب سنت نبویہ کی قبیل سے ہیں (اور وہ سنت شمار ہوں گے)، لیکن (یہ حقیقت ہے کہ) جہاں تک اُن عادات و افعال سے آپؐ کے اہتمام کا تعلق ہے (وہ سب کے ساتھ برابر نہیں ہے بلکہ) بعض کے ساتھ آپؐ جو اہتمام فرماتے تھے وہ دوسرے افعال کے ساتھ نہیں فرماتے تھے، اور یہ بات آپؐ کے قرائن حالیہ و مقالیہ (افعال و اقوال) کو دیکھنے اور ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ یعنی وہ امور جن میں آپؐ نے اہتمام فرمایا (مہتم بالشان) اور وہ امور جن میں آپؐ نے اہتمام نہیں فرمایا (غیر مہتم بالشان)، یا وہ امور جن میں زیادہ اہتمام فرمایا اور وہ جن میں کم اہتمام فرمایا ان کے درمیان فرق و امتیاز کرنا آجائے گا۔ نیز وہ چیز جو لوگوں کو سکھانے کے لئے اور ترویج و اشاعت کے لئے موزوں و مناسب نہیں ہے، اور وہ چیز جو اس کے لئے موزوں و مناسب ہے دونوں الگ الگ معلوم ہو جائیں گی۔ مثلاً جو اہتمام مسجدوں کی مرمت و تعمیر اور اُن کو آباد کرنے کے سازوسامان کی فراہمی سے متعلق ہے وہ اہتمام قبروں سے متعلق نہیں ہے۔ (اس میں اتنا اہتمام نہیں کیا گیا)۔

اور مساجد میں مسلمانوں کے جمع ہونے (اور جماعت سے نماز پڑھنے) کے بارے میں جو تاکید آئی ہے اور اس اجتماع کو ترک کرنے پر (عذاب سے) ڈرایا گیا ہے، اور اس اجتماع کے منعقد ہونے پر رضامندی و خوشی کا اظہار کیا گیا ہے، اور اس اجتماع (نماز با جماعت) کے نہ ہونے پر ناراضگی و ناخوشی کا اظہار

کیا گیا ہے، اور مساجد میں اجتماع کے فوائد اور عدم اجتماع کے نقصانات کا جو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح کے اور امور جن کے متعلق ترغیب یا ترہیب وارد ہوئی ہو ایسے کاموں کو انجام دینے کی سعی و اہتمام کرنا چاہیئے۔ (اس کے برخلاف) قبروں کی زیارت کرنے میں اتنا اہتمام نہیں کرنا چاہیئے۔

اور میت کو فائدہ پہنچانے کے لئے جو ترغیب و ترہیب، اور تاکید و شہرت اور ترویج والتزام نمازِ جنازہ کے واسطے کرنا چاہیئے وہ دوسری دعاؤں کے واسطے نہیں کرنا چاہیئے۔

اور جو اہتمام مطلق دعا کے لئے کرنا چاہیئے وہ میت کی طرف سے صدقہ دینے میں نہیں کرنا چاہیئے۔

اور جو اہتمام میّت کی طرف سے صدقہ دینے میں کرنا چاہیئے وہ میّت کو عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن پاک اور ذکر الٰہی کا ثواب پہنچانے میں نہیں کرنا چاہیئے۔

اور جو اہتمام جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں کیا جائے خواہ جسمانی کوشش کے ذریعہ یا نفسانی کوشش کے ذریعہ یعنی (لوگوں میں اس کے لئے) رغبت دلانے، جوش پیدا کرنے اس کی تدابیر کرنے اور اس کی تیاری و سازوسامان میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنے اور ان جیسے دوسرے کاموں میں جو انتہائی کوشش کرنی چاہیئے، ویسی کوشش و اہتمام غیر ضروری علوم کی تعلیم و تدریس، اور خلوت گزینی و عزلت نشینی، اور مختلف قسم کی (نفلی) عبادات و ریاضات و مجاہدات اور اذکار و مراقبات میں نہیں کرنا چاہیئے۔

(اسی طرح) جو محنت و کوشش اسلحہ اور آلات جنگ و حرب کی مشق کرنے میں کرنی چاہیئے وہ کوشش کتابوں کو جمع کرنے، مدرسے قائم کرنے اور خانقاہیں بنانے میں نہیں کرنی چاہیئے۔

اور جو کوشش و اہتمام عوام الناس کو کتاب و سنت کے ظاہر و واضح احکام کی طرف دعوت دینے میں کرنا چاہیئے وہ اہتمام ماہرینِ فنون کو (فقہ کے) عجیب و غریب و نادر مسائلِ قیاسیہ اور علم کلام کے مشکل مباحث اور صوفیہ کے باریک و دقیق اشارات کو حل کرنے کی دعوت دینے میں نہیں کرنا چاہیئے۔

الغرض جو شخص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک اور آپؐ کے عادات و خصائل سے واقف ہوگا، اور قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر[1] کی سنت اور طریقوں سے بھی آگاہ ہوگا اُس پر یہ باتیں پوشیدہ نہیں ہوں گی (اور وہ ان سے بخوبی واقف ہوگا)۔

تشریع کے دو پہلو

حاصل کلام یہ کہ تشریع (قانون سازی) کے مباحث کی شاخیں بہت ہیں اور ان کے بہت سے پہلو ہیں، لیکن ان سب کے باوجود وہ (بنیادی طور پر) ان دو ابواب میں منحصر ہیں: (۱) **باب تحدیدات**[2] اور (۲) **باب حفظ**

---

[1] اُن تین قرن کے لوگ جن کے سراپا خیر ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے ۱۲ مترجم

[2] تحدیدات سے مراد وہ احکام ہیں جن میں کسی دینی امر کو انجام دینے کے اوقات، مقدار یا تعداد متعین ہو، مثلاً نمازوں کے اوقات رکعات کی تعداد، زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب وغیرہ ۱۲ مترجم

مراتبِ امورِ ملّت [1]

کلمہ "ما" موصولہ کی تحقیق کا خلاصہ

پس مَا موصولہ جو مذکورۂ صدر حدیث میں آیا ہے اس کے یہی معنی مراد ہیں۔ تو مذکورۂ صدر حدیث کے معنی اس وضاحت کی روشنی میں یوں ہوں گے:

"جو کوئی کسی دینی امر میں کوئی ایسی (نئی) چیز پیدا کرے (یا رواج دے) جو تحدیدات کی قسم سے ہو یا اس کی وجہ سے کسی دینی امر میں کوئی تغیر و تبدیلی واقع ہو جاتی ہو تو وہ چیز مردود و قابلِ رد ہے"

بدعتِ وصفیہ کے مفہوم کا خلاصہ

پس بدعتِ وصفیہ کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ جو تحدید کسی دینی کام میں نئی پیدا کی جائے یا جاری کی جائے یا ہر ایسا تغیر موقعی کہ جس سے کوئی نیا امرِ دینی پیدا ہو جائے اور اس کا موجد اس خصوصیّت کو اس دینی امر کے معتبر ہونے کی بنیاد شارع کی طرف سے جانے، یا وہ اس کو استحسانِ شرعی سمجھ کر اس پہ عمل کرے۔ یا اس خصوصیت کو اصل عمل کا باطل کرنے والا قرار دے۔ یا اس

[1] حفظِ مراتبِ امورِ ملت سے مراد ہے دینی امور و احکام کے جو مراتب و درجے مقرر ہیں ان کی نگہداشت اور پابندی کرنا۔ فرض، سنت و نفل وغیرہ میں درجہ بندی اور فرق ملحوظ رکھنا ۱۲ مترجم

اصل عمل کو ساقط کر دینے کا سبب قابلِ قبول مرتبہ میں سمجھ کر اس سے پرہیز و اجتناب کرے۔ تو ان سب کو بدعتِ وصفیہ کہتے ہیں۔

بدعتِ حقیقیہ

واضح ہو کہ بدعت کی (مذکورہ بالا) دونوں قسموں کی تعریف کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مطلق بدعت کا اصل دار و مدار صرف عقیدہ پہ ہے، یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفع پہنچانے والی نہ ہو اس کو مفید سمجھنا اور جو چیز (خدا کے نزدیک) مضر نہ ہو اس کو مضر سمجھنا، یہ **بدعتِ حقیقیہ** ہے۔ اس کو حقیقی بدعت جاننا چاہیے۔

بدعتِ حکمیہ یا بدعتِ عملیہ

اس مقام پہ بدعت کی ایک اور قسم بھی ہے، اس کو **بدعتِ حکمیہ** [1] کہتے ہیں۔ اس کی توضیح و تشریح یہ ہے کہ ایک چیز جو نئی نکالی گئی ہو اور اس کا جاری کرنے والا اس کے مفید ہونے یا مضر ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، لیکن (اس کو عمل میں لانے میں) اس کے ساتھ وہی اہتمام کرتا ہو جو شرعی لحاظ سے مفید یا مضر امور کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ مثلاً قربانی کرنے کے سلسلہ میں خاص طور پہ عید الاضحیٰ کے دن کی پابندی کرنا۔ حالانکہ یہ قربانی عید کے اگلے دو دن میں بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن عید کے روز کی افضلیت حاصل کرنے کے لیئے (اُسی

[1] آگے چل کر مصنف نے اس بدعت کو بدعتِ حکمیہ یا عملیہ قرار دیا ہے ۱۲ مترجم

روز قربانی دینے کی کوشش کرنی چاہیئے، باوجودیکہ لوگوں کی اسی روز قربانی دینے کی رغبت اور جانوروں کی کمی وکمیابی کی وجہ سے ان کی قیمتیں گراں ہوتی ہیں، اور نمازِ عید ودیگر آداب بجالانے نیز اعزّہ واحباب سے ملاقات میں مشغولیت کی وجہ سے فرصت بھی کم ہوتی ہے، اور اس روز گوشت کی بہتات کی وجہ سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو (قربانی کے) گوشت کا فائدہ بھی کم ہوتا ہے۔ الغرض ان تمام رکاوٹوں اور موانع کے باوجود (قربانی کیلئے) عیدالاضحیٰ کی خصوصیت کو نہ چھوڑنا چاہیئے (بلکہ اسی روز قربانی کرنی چاہیئے)۔

اسی طرح میّت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کیلئے یومِ وفات کو مخصوص کرنا خواہ ان دِنوں میں ہاتھ تنگ ہو، یا بیماریوں کا زور ہو، یا سفر درپیش ہو، یا بارش کا موسم ہو، یا اسی طرح کی اور رکاوٹیں اور دشواریاں درپیش ہوں، لیکن (ان سب مشکلات کے باوجود صدقہ وخیرات کیلئے) اس یومِ وفات کی خصوصیت کو نہ چھوڑیں (بلکہ خاص اسی روز خیرات کریں) خواہ اس کیلئے قرض لینا پڑے، اور خواہ اس کام میں لگنے سے (گھر کے کسی) مریض کا مرض بڑھ جائے تو اس کی بھی فکر نہ کریں، سفر کو ملتوی کرنا بھی گوارا کریں، اور (موسم برسات ہوتو) خیرات والے کھانے کو بارش سے بچانے کیلئے بارش سے بچاؤ کا ساز وسامان فراہم کرنے کی تکلیف برداشت کریں اور اپنے کپڑوں کے کیچڑ میں لت پت ہونے کی بھی پرواہ نہ کریں، احکام دین سیکھنے کے اوقات میں خلل پڑنے یا عبادات میں اطمینان ختم ہونے یا نماز باجماعت کے فوت ہونے کا بھی کوئی خیال نہ کریں، یہ سب کچھ قبول ہو لیکن خیرات کیلئے یومِ وفات کا ٹلنا قبول نہ ہو، اگرچہ اس

یومِ وفات کے دیگر ایام سے افضل ہونے کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں۔

اسی طرح بیوہ عورت کے نکاحِ ثانی کا مسئلہ ہے، کہ بیوہ عورت خواہش جماع کی کثرت کے باوجود، اور خاوند جو اس کی ضروریات کا کفیل تھا اس کی وفات کی وجہ سے شدید مفلسی کے باوجود، اور اپنے مونس (خاوند) کی جدائی کی وجہ سے جو تنہائی کی وحشت وگھبراہٹ پیش آتی ہے اس کے باوجود وہ زنا سے بچتی اور اجتناب کرتی ہے، اور یہ اجتناب اس کی خوبیوں میں شمار ہوتا ہے اور اس کی پاکدامنی ثابت کرنے کے موقع پر بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان مذکورہ بالا باتوں کے باوجود وہ نکاحِ ثانی کرنے سے بھی اجتناب کرتی ہے۔ اس کا یہ اجتناب بھی یا تو اس کی خوبیوں میں شمار ہوتا ہے یا اس کے کمالِ عفت کو ثابت کرنے کے موقع پر بیان کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ نکاحِ ثانی کے بُرے ہونے کا اعتقاد نہ رکھتی ہو۔

اور جیسا کہ عقدِ نکاح کے موقع پر گواہوں کی موجودگی اور ولی کی اجازت کو نکاح کے صحیح ہونے کی شرائط میں شمار کرتے ہیں چنانچہ عقدِ نکاح کو ان دونوں شرائط کے پورا ہونے تک موقوف رکھتے ہیں اگرچہ اس کی تاخیر میں طرح طرح کے نقصان ہوجانے کا احتمال ہوتا ہے۔ اسی طرح اس نکاحِ مذکور کو جہیز مہیا کرنے کی استطاعت پر یا دعوتِ ولیمہ کرنے کی استطاعت پر موقوف رکھتے ہیں، یا جیسا کہ کفو (برابر) نہ ہونے کے گمان سے یا ولیوں کے فوت ہونے کی وجہ سے یا اُن کے سفر پر چلے جانے کے باعث ان کی غیر موجودگی کی وجہ سے نکاح منعقد کرنے کی جرأت نہیں کرتے، یا جہیز جمع کرنے کیلئے یا دعوتِ ولیمہ کا ساز و سامان مہیا کرنے کے لئے قرض لینے کا انتظام کرتے ہیں جس میں بہت سے

نظریات کا قائل ان کو دینی عقائد سمجھے اور انکو دین میں شمار کرے۔ اور اگر وہ ان کو دین کے عقائد نہ سمجھتا ہو تو اس زمانہ میں یہ (نظریات و مباحث) بدعاتِ حکمیہ میں ضرور داخل ہیں، اس لئے کہ ان مسائل کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنا اور ان کی تنقیح (چھان پھٹک) کرنا اور ان مسائل و مباحث پر گفتگو کرنے والے کا شمار علمائے دین اور حکمائے ربانیین میں کرنا اور ان امور کی وجہ سے ان کی تعریف اس طرح کرنا جیسے دینی کمالات کی کرتے ہیں، نہ صرف عوام میں رائج ہے بلکہ خواص بھی اسی قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ

مقامِ فنائے علمی کے حصول کی کوشش کرنا، اور انسلاخ و اضمحلال اور عالمِ مثال کی پوشیدہ باتوں کے انکشاف کی سعی کرنا، اور وجد و حال کی واردات کے حصول کی کوشش کرنا، اور تصوف کے دیگر مقامات مثلاً غیبت (از خود رفتگی) و استغراق و سکر (بے ہوشی و مدہوشی) و شطح کے حاصل کرنے کی ریاضتیں، اور عالمِ کون و عالم نفوسِ انسانی کی تاثیریں ظاہر کرنے کی جدوجہد، اور حاضرین کے دلوں میں گرمی ڈالنے کا عمل، اور اسمائے الٰہی میں سے جلالی و جمالی اسمائے حسنیٰ کی دعاؤں اور وظائف کا علم حاصل کرنا، یہ سب بدعاتِ حقیقیہ میں داخل ہیں، اس لئے کہ جو شخص ان امور میں مشغول رہتا ہے وہ ان کو قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتا ہے، بلکہ اکثر لوگ ان امور کو شریعت میں مطلوب احسان کی حقیقت شمار کرتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ

(اپنے لیے چند مخصوص) اوراد و وظائف اور اذکار و ریاضات کو معین کرنا، عزلت نشینی اور چلّہ کشی اختیار کرنا، اور (مخصوص) نفل عبادات (اپنے لئے) لازم کرنا، اور ذکرِ الٰہی کے طریقے اور ترکیبیں معین کرنا مثلاً پکار کر یا آہستہ آواز میں یا ضربوں کے ساتھ یا ان کی گنتی اور تعداد کا تعین کرنا، اور برزخی مراقبے اور اسی طرح کی دیگر مشکل و دقّت طلب عبادات کو اپنے اوپر لازم کر لینا، یہ سب اکثر طالبین کے حق میں بدعتِ حقیقی کی قسم میں داخل ہے کیونکہ وہ اس کو ہی اصل کمالِ شرعی سمجھتے ہیں یا شریعت کا تکملہ گردانتے ہیں۔ البتہ خواص کے حق میں یہ بدعتِ حکمیہ شمار ہونگی جو ان امور کو صرف وسیلے سمجھ کر ان کی تعلیم و ترویج کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جہاں تک خاص الخاص حضرات کا تعلق ہے جو کہ محض چند غبی اور کند ذہن لوگوں کی ہدایت کیلئے کہ ان کے نفوس حد درجہ کی کند ذہنی اور سرکشی کی وجہ سے ناقص ہوگئے ہیں ان کو ان مذکورہ بالا امور کی تعلیم دیں اور ان کو طرح طرح کی رغبتیں دلا کر حق تعالیٰ کی اطاعت و عبادت پر آمادہ کریں اور صرف ان لوگوں کی ناقص استعدادوں کی اصلاح کیلئے بقدر ضرورت وسیلوں کے طور پر اور بغیر کسی التزام کے اور بغیر کسی ترویجِ عام اور اہتمام کے ان امور کو کام میں لائیں اور مقصد حاصل ہونے کے بعد ان کو چھوڑ دیں تو بے شک اس صورت میں ان مذکورہ بالا امور کی تعلیم اگرچہ ان حضرات کی جانب سے بعض اوقات چند لوگوں کے ذہنوں (کی تربیت) کے لئے اتفاقیہ طور پر اور مصلحتِ وقت کی خاطر وجود میں آئے تو ان کے حق میں یہ امور بدعت شمار

نہیں ہوں گے۔ لیکن ہم یہاں جو کلام کر رہے ہیں وہ اہل زمانہ کی اکثریت کے بارے میں ہے جو ان امور کو ایک شریعتِ مستمرہ اور طریقہ مسلوکہ (مستقل شریعت اور مستقل مسلک) کے مثل سمجھتے ہیں۔

چوتھا مسئلہ

ختم اور توشہ کیلئے تعداد اور اشخاص اور اوقات و اجناس کا تعین کرنا، اور صوفیوں کی محفلِ سماع (قوالی) منعقد کرنا، اور کتاب خوانی اور مرثیہ خوانی اور ماتم کی مجلسیں کرنا، اور تعزیہ اور سدّہ اور علَم اور حضرتِ امام (حسینؓ) کی شہادت بیان کرنے کے لئے ایام عشرۂ محرم میں مجالس منعقد کرنا، اور چہلم، سوئم اور عرس و زیارتِ قبور کے لئے لوگوں کو بلا بلا کر جمع کرنا، اور ان سب کاموں کے لئے (مخصوص) اوقات معین کرنا، اور ان قبروں پر مراقبہ کرنا اور ان پر جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا، اور میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کے اوقات معین کرنا، اور سورۂ فاتحہ و سورۂ اخلاص (اس موقع پر پڑھنے کا) التزام کرنا اور (اس رسم صدقہ کی) تعظیم کرنا اور اس کی جنس (از قسم اناج وغیرہ) معین کرنا اور اس کا مصرف معین کرنا (کہ صرف فلاں فلاں لوگوں کو دیا جائے)، اور اہل قبور سے مدد مانگنا اور قبروں کو چومنا اور بوسہ دینا اور ان کا طواف کرنا، اور چوکھٹ چومنا اور تعظیم کے واسطے ان کے سامنے کھڑے رہنا، اور قبروں پر چادر، پھول اور غلاف چڑھانا، اور قبروں کو غسل دینا اور ان پر روشنی کرنا اور تقرب الٰہی حاصل کرنے کی نیت سے قبروں و مزاروں پر اجتماع کرنا اور میلہ لگانا، اور مُردوں کے واسطے نماز ہول معین کرنا، اور میت کو دفن کرنے کے

بعد قبر پر اذان دینا اور اسی طرح کے بیشمار کام اس زمانہ کے لوگوں کے حق میں بدعتِ حقیقی شمار ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ ان تمام امور کو عبادت کے طور پر عمل میں لاتے ہیں، مگر بعض اخص الخواص (خاص الخاص) حضرات کے حق میں نہیں، کیونکہ وہ ان تمام مذکورہ بالا امور کو محض لغو سمجھتے ہیں، اور صرف اہل زمانہ کی موافقت کی خاطر عمل میں لاتے ہیں، تو ان کے حق میں یہ امور بدعتِ حکمیہ کی قسم سے شمار ہوں گے بشرطیکہ ان میں سے کوئی کام شرعی شبہات اور دینی منکرات میں سے نہ ہو۔

پانچواں مسئلہ

اکثر متاخرین فقہاء وصوفیہ کے استحسانات جو محض ظن پر مبنی ہیں اور بعض دینی فوائد اور شرعی مصلحتیں حاصل کرنے کے لئے بغیر کسی دلیل شرعی سے تمسک کئے، عبادات یا معاملات میں کچھ نئے مسائل بنا لیتے ہیں یا دین کے کسی اصول کو (اپنی طرف سے) خاص حدود کے ساتھ معین کر کے (بالکل) ایک نیا اصول بنا لیتے ہیں تاکہ ایسے کام کو رواج دیں جو پہلے زمانہ میں رائج نہیں تھا یا اس جیسی کوئی دوسری چیز رائج تھی جیسے نماز معکوس، اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک مخصوص امام کی تقلید کو واجب قرار دینا، اور زندوں کی عبادت کا ثواب مُردوں (کی روحوں) کو پہنچانا، بخلاف مالی عبادتوں کا ثواب پہنچانے کے جو کہ شرعاً ثابت ہے، یا مثلاً کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے کا ایک خاص طریقہ متعین کرنا یعنی اس کا طرزِ ادا اور اس کی تعداد مقرر کرنا اور یہ متعین کرنا کہ وہ کتنی ضربوں اور کتنی نشستوں میں پڑھا جائے گا۔ اور پانی کی کثیر مقدار کا تعین (جو کسی ناپاک چیز کے پڑ جانے سے ناپاک نہ

ہو سکے) دہ دردہ ہونے سے کرنا (کہ وہ پانی دس ہاتھ لمبے اور دس ہاتھ چوڑے حوض میں ہو)۔ اور عبادات اور مطالعہ کتب میں مشغول ہونے کیلئے گوشہ نشینی کو رواج دینا، قیاسی اور کشفی مسائل کو رواج دینا اور اپنی پوری ہمت اسی میں لگا دینا اور کتاب وسنت کے ظاہر (الفاظ ومعنی) کو ترک کر دینا البتہ صرف بطورِ تبرک کے (لکھ لے لینا)۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا اور جہاد باللسان اور جہاد بالسیف (زبانی وسنانی جہاد) سے لاپرواہی اور غفلت برتنا۔ اور اسی طرح کے اپنے ایجاد کردہ نئے نئے امور نکالتے ہیں اور پھر ان کو شرعی احکام دینی عبادات اور ایمانی صفات میں شامل کرتے ہیں۔ تو یہ سب امور بدعاتِ حقیقیہ کی قسم سے ہیں۔ ان کے کرنے والے بطور عذر یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ کام نیا اور نو ایجاد کردہ ہے، لیکن دینی مصلحتوں پر مشتمل ہے یا ان کاموں کی اصل شرع میں ثابت ہے، اگرچہ ان کی مذکورہ خصوصیت نئی (نکالی ہوئی) چیز ہے۔ پس ان کا یہ کمزور عذر ان مذکورہ بالا امور کو بدعت کی حد سے نہیں نکال سکتا۔ البتہ اس بات کی تحقیق کہ یہ بدعتِ حسنہ ہے یا بدعتِ قبیحہ (یعنی اچھی بدعت ہے یا بُری بدعت ہے) انشاء اللہ عنقریب دوسری فصل میں بیان کی جائے گی۔ اور پہلے زمانہ کے اکثر علماء نے جو قیاس کو بُرا کہا ہے تو اس قیاس سے انہوں نے یہی معنی مراد لئے ہیں نہ کہ شرعی قیاس جو (جائز ہے اور اس سے مراد) ایک مسئلہ کو اسی جیسے دوسرے مسئلہ پر منطبق کرنا یا قیاس کرنا ہے۔

فائدۂ دوم

ان امور کا بیان جو بدعتِ حکمیہ میں داخل ہیں

یہ فائدہ کئی مسئلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مسئلہ

علومِ آلیہ میں تبحر حاصل کرنے کے لئے ان میں بالکل ڈوب جانا مثلاً علوم عربیہ (صرف ونحو وبلاغت) کے نادر مسئلوں کا تتبع کرنا اور کھوج لگانا جن کا کتاب وسنت کے سمجھنے میں چنداں دخل نہیں، کیونکہ قرآن وحدیث کی بنیاد عرفی محاورات (روزمرہ کی زبان) پر ہے، نہ کہ شعری لطائف اور شعری باریکیوں پر۔

اور منطق، الہیات اور طبیعیات وفلسفہ کے دقائق میں زیادہ تحقیق کرنا، اور اسی طرح علم اصول (فقہ) اور علم کلام کے قواعد میں زیادہ غور وتعمق کرنا اور کتب فقہ میں زیادہ مشغول ہونا اور علم دانشمندی[۵] کے ابواب میں مہارت پیدا

۵ مصنف کے بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنے رسالہ دانشمندی میں فرماتے ہیں کہ دانشمندی کے فن کا کتب معقول ومنقول اور علوم برہانیہ (منطق وغیرہ) اور خطابیہ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

کرنا یعنی فنِ مناظرہ وجدل، اور مخالف کے کلام کو باطل کرنے اور اس کا رد کرنے کیلئے توجیہ وطرقِ کلام کا علم[ف] یا مخالف کے آنے کے دروازے اور راستے بند کرنے کے لئے توجیہ وطرقِ کلام کا علم از باب تقلید و تحدید و توجیہ و تاویل یا اسی طرح کے دوسرے امور میں مہارت پیدا کرنا جن کو جواب دینے والے دانشمند (مناظرین ومتکلمین) ضرورت کے وقت کام میں لاتے ہیں اور اپنے ہمسر لوگوں میں (بیٹھ کر) اس پر اپنی بڑائی اور فخر کرتے ہیں۔

اور نادر اشعار اور علم العروض کے قواعد کا احاطہ کرنا اور فقہ کے فرضی مسائل جن کا وقوع صرف خیالی ہے ان کا علم حاصل کرنا، اور فنِ ریاضیات وفنِ تواریخ وفنِ تکسیر ونقوش (نقش بھرنے کا فن) اور اسی طرح کے دیگر نادر فنون میں مشغول ہونا، یہ سب موجودہ زمانہ کے عقلاء کے حق میں **بدعاتِ حکمیہ** کی قبیل سے ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ اگرچہ ان مذکورہ بالا علوم وفنون کے حاصل کرنے کو قربتِ الٰہی اور دینی کمال کا ذریعہ نہیں سمجھتے لیکن اپنی قیمتی عمر کو ان امور کی تحصیل میں اس طرح سے ضائع کرتے ہیں جیسے کوئی طالبِ حق اپنے قیمتی وقت کو اصولِ دین

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ اور وہ صرف ونحو اور لغت وغیرہ کو اس فن کے مقدمات قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ علم کلام اور اصول (فقہ) اس فن (دانشمندی) سے مخلوط ہو گئے ہیں ۱۲۔ مترجم

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ہذا) [ف] یعنی وہ علم جس میں دوسرے کے کلام کی توجیہ وتشریح اور اس کے آنے کے مختلف طریقوں سے بحث کی جاتی ہے تاکہ اس کا رد کیا جا سکے یا اس کا منہ بند کیا جا سکے ۱۲ مترجم

اور احکام شرع متین کی تحقیق میں صرف کرتا ہے۔ اور پھر یہ لوگ اس عمر کے ضائع کرنے پر فخر ومباہات کرتے ہیں اور اس کو اپنی خوبیوں اور فضائل میں شمار کرتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں میں اس حماقت اور تضییع اوقات پر (ایک دوسرے کی) تعریف کرنے کا رواج عام پایا جاتا ہے اور اس طرح کے عمر ضائع کرنے والے بیوقوفوں کو ان علوم وفنون کے حاصل کرنے کے سبب عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کی توقیر وتعظیم کی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ ایک ذرہ بھر راہِ دین کی طلب نہیں رکھتے اور خوفِ خدا جو علماء کا شیوہ ہے اس کا ایک بیج بھی اپنے دل میں نہیں بوتے، اور خرمنِ سنتِ (نبوی) سے علم وعمل کا ایک جو بھی نہیں اٹھاتے، اور ان دینی علوم کے قائدین (علمائے کرام) کو حقارت واہانت کی نظر سے دیکھتے ہیں اگرچہ وہ حق کی طلب کے علمبردار ہوں اور سنت کی تلاش میں لگے ہوں اور تقوے کے لباس سے آراستہ ہوں۔

سبحان اللہ! اس زمانہ کے عقلاء کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو علماء وفضلاء کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور افسوس ہے ان بے وقوفوں اور احمقوں کے حال پر یعنی جاہل طلبہ کے حال پر کہ وہ مذکورہ بالا جہل کو عین علم سمجھتے ہیں، اور (اس جہل وحماقت میں) عمر ضائع کرنے کو عین قربتِ الٰہی اور عبادتِ خداوندی خیال کرتے ہیں، اور انہی تضییع اوقات کرنے والے احمقوں کو مستند عالم سمجھتے ہیں۔ لہٰذا امورِ مذکورہ بالا ان کے حق میں اور ان کی نسبت سے نہایت بری قسم کی **بدعاتِ حقیقیہ** اور بدترین منکرات شرعیہ ہیں۔

اور حدیث وسنت میں طالب علموں کے سیکھنے اور علماء کے سکھانے کے سلسلہ میں جو کچھ آیا ہے وہ اسی قدر ہے جیسے (سلطنتِ مغلیہ کے) تابعدار

سپاہی اور کارگزار خدمتگار جو (مغل) سلاطین و شہزادگان کے نوکر اور (مغل) امراء وافسران کے ملازم ہیں رات دن (شاہی) فرمانوں اور (سرکاری) حکمناموں میں مندرج اُن احکام کی تلاش وجستجو میں مشغول رہتے ہیں جو نظم ونسق اور سرکاری بندوبست کے سلسلہ میں جاری ہوتے رہتے ہیں، یہ لوگ ان احکام کی اطلاع پاتے ہی نہایت سرگرمی سے ان کی تعمیل میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جس مہم کا حکم ہوتا ہے اس کو فوراً سرانجام دینے لگتے ہیں، لیکن صورت حال یہ ہے کہ (آجکل) یہ سرکاری فرمان اطرافِ ہندوستان میں فارسی زبان میں لکھے جاتے ہیں اور ان میں بعض آئینی وقانونی اصطلاحات ہوتی ہیں، تو بعض ملازمین تو فارسی میں مہارت رکھتے ہیں اور بعض نہیں رکھتے، اسی طرح بعض ملازمین حاضرینِ دربار سے ملاقات رکھنے کی وجہ سے اُن قانونی وآئینی اصطلاحات سے واقف ہوتے ہیں اور بعض دوسرے ملازمین واقف نہیں ہوتے توجس طرح اِن ناواقفوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مذکورہ احکام کو بجالائیں اور ان کی تعمیل کریں، اُسی طرح ان کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ ان احکام کو تلاش کریں اور (واقفوں سے پوچھ کر) معلوم کریں، اور اسی طرح جیسے واقفوں پر ان احکام کی تعمیل لازم ہے اسی طرح ان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ ناواقفوں کو یہ احکام بتائیں اور ان کو واقف کرائیں۔ اب جب یہ ناواقف لوگ ان کے بتلانے سے احکام سے واقف ہوگئے تو اب وہ بھی پہلی جماعت کی طرح احکام سے واقف کہلائیں گے اگرچہ یہ لکھنے پڑھنے میں مہارت نہ رکھتے ہوں۔ اور اب دوسرے ناواقفوں کو سکھانا اور بتانا ان پر بھی لازم ہوگیا۔ اور یہ سب لوگ اصل حاکم کی اطاعت اور تابعداری میں اور اس کے حکموں کو بجالانے میں برابر ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی ان احکام سے واقفیت کے سبب

اصل حاکم نہیں بن گیا، اور دوسرا کوئی آدمی اُن احکام کو پہلے شخص کی زبان سے سُن لینے کی وجہ سے اُس کا نوکر نہیں بن گیا، بلکہ سب کو چاہئے کہ (اصل حاکم کی بتائی ہوئی) اس مہم کو سرانجام دینے میں پوری کوشش کریں اور بے کار گفتگو اور فضول بحث سے جس کا حکم بجالانے سے کوئی تعلق نہیں ہے اجتناب کریں اور بچے رہیں۔

اسی طرح حق تعالےٰ کے بندوں کو چاہئے کہ قرآن مجید میں لکھے ہوئے احکام کی تلاش میں پوری ہمّت کے ساتھ مصروف رہیں، لیکن چونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اس میں شرعی اصطلاحات بھی آتی ہیں تو وہ لوگ جو عربی زبان میں مہارت نہیں رکھتے اور قرآن مجید میں مذکور اصطلاحات سے واقف نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اس کے معنی ومطالب عربی زبان کے ماہرین اور سیرتِ نبوی کے جاننے والوں سے دریافت کریں۔ اسی طرح ان علوم شرعیہ سے واقف لوگوں پر فرض ہے کہ ناواقفوں کو بتائیں اور ان کو تعلیم دیں۔ اور جب شریعت کے احکام معلوم ہوجائیں اور ان سے واقفیت ہو جائے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا، اور برائی سے روکنا) سب پر فرض ہوگیا، اور (ضرورت سے زائد) باریکیوں سے بچنا عبادت گزاری وطاعتِ الٰہی کا نشان سمجھا گیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تقلید (اتباع) سب لوگوں پر فرض اور لازم ہے۔

الغرض آنحضرت نبیٔ امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید (اتباع) ہمارے لئے باعثِ فخر ہے، اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[۱] کا تاج

---

[۱] ترجمہ: بیشک رسول اللہؐ (کی زندگی) میں تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے (سورۂ احزاب: ۲۱)

ہم اپنے سر پر رکھتے ہیں۔ اور ہم نَحْنُ اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ[1] کی خلعت پہنے ہوئے ہیں، اور علم دانشمندی کے تمام فنون سے ہمیں نفرت ہے[2]۔ اور (اسی طرح) ہم اُن تمام علوم و فنون سے بیزار ہیں جو شہرت و فضیلت دکھانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ہم تو صرف سنتِ نبویہ کے دسترخوان سے لُقمہ اٹھاتے اور اُسی کی خوشہ چینی کرتے ہیں، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا۔

---

[1] ترجمہ حدیث: "ہم ان پڑھ قوم ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب کتاب سے واقف ہیں۔"

[2] علم دانشمندی یا فن دانشمندی کیا ہے، اس کی تعریف مصنف کے بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے اپنے رسالہ "دانشمندی" میں کئی طریقہ سے کی ہے۔ ایک جگہ تو وہ اس سے "کتاب دانی" مراد لیتے ہیں کہ کتاب کا مطالعہ اور اس کی تحقیق کیسے کی جائے، اور استاد اپنے شاگردوں کو کتاب کیسے پڑھائے، یا اس کی شرح یا اس پر حاشیہ کیسے لکھے۔ دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں کہ علم کلام اور اصول فقہ اس فن (دانشمندی) سے مخلوط ہیں۔ اور وہ صرف و نحو اور لغت وغیرہ کو فن دانشمندی کے مقدمات قرار دیتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ دانشمندی کے فن کا کتبِ معقول و منقول اور علوم برہانیہ (منطق وغیرہ) اور خطابیہ سب پر اطلاق ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اگلے زمانہ میں یعنی دہلی سلطنت اور مغلیہ دور کے صوفیہ کے ملفوظات وغیرہ میں "دانشمند" کا ذکر اچھے الفاظ میں نہیں آتا۔ وہ اس کو ظاہری علوم کا پرستار اور حقائق و معارف سے بے بہرہ شمار کرتے ہیں۔ غالباً وہ اس سے فقیہ یا متکلم مراد لیتے ہیں، یا وہ شخص جو علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کر رہا ہو، اور اس کو صوفی کے مقابل قرار دیتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل شہید رح کا اگلا جملہ اُن کے اصل مقصد کی وضاحت کرتا ہے ۱۲ (مترجم)

دوسرا مسئلہ

لباس اور فیشن کے بارے میں نئے طرز اور نئی تراش خراش کی محافظت میں خوب کوشش و اہتمام کرنا، اسی طرح رفتار و گفتار کے نئے آداب مقرر کرنے میں اور خلوت و جلوت کے اوقات متعین کرنے میں اہتمام کرنا، اور نشست و برخاست اور سلام و ملاقات کی نئی ہیئتیں مقرر کرنے میں اہتمام کرنا، اور تعظیم و تکریم اور بات چیت و خطاب کے لئے بعض مخصوص افعال و اقوال کا تعین کرنا، اور اپنے ہم مشربوں کی محفلیں اور دوست و احباب اور عقیدت مندوں کی مجلسیں منعقد کرنے کے لئے بعض دنوں کو مخصوص کرنا جو شرعی منصب کے عہدیداروں مثلاً علماء و قضاۃ اور ان کی اولاد و تلامذہ میں رائج ہے، یا جو صوفیہ کبار کے مقلدین مثلاً سجادہ نشینوں، مشائخ کرام اور ان کے مریدوں میں جاری ہے، یا جو مدعیان مقام ترکِ (دنیا) اور تجرد پسندوں (عائلی زندگی سے پرہیز کرنے والوں) مثلاً خانقاہ نشینوں اور سلسلہ قلندریہ و مداریہ و جلالیہ کے آزاد منش لوگوں کے سرداروں اور ان کے پیروکاروں میں مروّج ہے تاکہ وہ اپنے اور اپنے اسلاف کے منصب کے شعار کا تحفظ کر سکیں اور دیگر عام مسلمانوں سے اپنے امتیاز اور اپنے بزرگوں کے امتیاز کو قائم رکھ سکیں، مثلاً محض درویشی کے لقب کو برقرار رکھنے کے لئے باوجود استطاعت ہونے کے نکاح سے اجتناب کرنا، یا کسب معاش سے بچنا حالانکہ انہیں اخروی اور دنیوی ضروریات سے فراغت کے بعد اس کی فرصت ہوتی ہے اور مفلسی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور دنیوی حاجات بھی درپیش ہوتی ہیں جن کے باعث (بعض اوقات)

ان کو زبانِ حال وزبانِ قال سے سوال کرنے کی ذلّت بھی اٹھانی پڑتی ہے لیکن پھر بھی ان سب باتوں کے باوجود محض اپنے خاندان کے لقب (درویشی) اور اس کی روایت کی محافظت کے پیشِ نظر کسب معاش اور روزی کمانے کو باعثِ شرم وعار اور موجب طعن وتشنیع سمجھ کر اس سے اجتناب کرتے ہیں اگرچہ اس کو شرعی ممنوعات میں سے شمار نہیں کرتے۔

یا مثلاً ملاقات کے وقت سلام کرنے اور مصافحہ کرنے کی بجائے دوسری قسم کے تعظیمی اقوال وافعال ایجاد کرنا، یا ایسے القاب وخطابات کو رواج دینے کی خوب کوشش واہتمام کرنا جو بڑے اونچے شرعی منصبوں پر دلالت کرتے ہیں مثلاً فلاں مولوی صاحب اور فلاں شاہ صاحب۔ اسی طرح کے دیگر بے شمار القاب وخطابات جن کا ذکر ان چند اوراق میں کرنا خاصا مشکل معلوم ہوتا ہے، تو یہ سب **بدعاتِ حکمیہ** کی قسم سے ہیں صرف ان عقلاء کے حق میں جو ان مذکورہ بالا امور کو لغو اور بے کار سمجھتے ہیں لیکن محض اپنے خاندان کی روایت کو برقرار رکھنے کے لیے ان کو عمل میں لاتے ہیں۔ اب جہاں تک ان لوگوں کے بیوقوفوں کا تعلق ہے جو ان حماقتوں کو عین کمالات جان کر ان نئی نکالی ہوئی چیزوں (رسموں) کی حفاظت میں بڑا اہتمام کرتے ہیں اور ان کو خوب عمل میں لاتے ہیں تو ان بے وقوفوں کے حق میں امورِ مذکورہ بالا **بدعاتِ حقیقیہ** کی قسم سے ہیں، کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک یہ امور شرعی منصبوں کے نام شمار ہوتے ہیں۔

اب رہے وہ امور جو دنیوی کاموں کے عنوانات (اور دنیوی عہدوں کے نام اور شعار) شمار ہوتے ہیں مثلاً سپاہیوں کی وردی (یونیفارم) اور

اسی طرح کی دوسری چیزیں، تو وہ ہماری موجودہ بحث سے خارج ہیں۔

تیسرا مسئلہ

بعض مباح شرعی کاموں کو لازم کر لینا محض اپنے باپ داداؤں کی پیروی میں اور اپنے ہمسروں اور بھائیوں اور دوستوں کی موافقت میں اور ان کے دیکھا دیکھی، جبکہ ان امور کو عمل میں لانے سے نہ کوئی آخرت کا فائدہ حاصل ہونے کی امید ہو اور نہ کوئی دنیوی غرض حاصل ہونے کی توقع ہو، تو اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی نسبت یہ امور بدعاتِ حکمیہ کی قسم سے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض لوگوں کی نسبت شرک کی قبیل سے ہیں، اور ان میں سے بعض دوسرے لوگوں کی نسبت بدعتِ حقیقی کی قسم سے ہیں، اور بعض دوسرے لوگوں کے تعلق سے یہ معاشی امور ہیں، اور بعض دوسرے لوگوں کے تعلق سے یہ لہو ولعب اور کھیل کود کے کام ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ شارع جلّ جلالہٗ نے شریعت کے بعض احکام کو بعض دنیوی یا اُخروی مصالح کو ملحوظ رکھ کر مقرر فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کے لئے نماز مقرر فرمائی، اور مسافر کی تکلیف ومشقت دور کرنے کے لئے (روزہ نہ رکھنے کی اور نماز قصر کرنے کی) رخصت عنایت فرمائی اور (طلاق کے بعد یا شوہر کے انتقال کے بعد) رحم پاک کرنے (استبراء) کے لئے عدت کو مقرر فرمایا۔ اور اسی طرح دوسری چیزیں (بہت سی مصلحتوں کے پیشِ نظر) مقرر فرمائی ہیں۔ لیکن بندوں کو چاہیے کہ ان مصلحتوں سے قطع نظر کر کے شرعی احکام کی

اصلی (ظاہری) صورتوں کی حفاظت کرنے اوران کو باقی وقائم رکھنے کی پوری پوری کوشش کریں، اور محض اس خیال سے کہ جو مصلحت شارع نے کسی حکم یا عبادت میں ملحوظ رکھی ہے وہ شرع میں اس حکم یا عبادت کی مقرر کی ہوئی (ظاہرہ) صورت کے علاوہ دوسری شکل میں زیادہ بہتر طور پر پوری ہو جاتی ہے، تو اس خیال کو دل میں لا کر شارع کی مقرر کردہ صورتِ عبادت یا حکم کو بجالانے میں ہرگز سُستی اور مداہنت نہ کریں (اور اسی ظاہری صورت پر عمل کریں جو شریعت میں مقرر ہے) اور اس کی ظاہرہ شکل میں کوئی تبدیلی یا تغیر نہ کریں مثلاً نماز کی (ظاہری) صورت کی حفاظت کرنے میں خوب کوشش کرنی چاہئے اگرچہ وہ نماز حضورِ قلبی سے خالی ہو۔ اور نماز کے بدلے ہیئت ذاتی کا مراقبہ استعمال نہ کریں اگرچہ وہ حضورِ قلبی سے بھرا ہوا ہو۔ اسی طرح اس سفر میں جو آسان اور بے مشقت ہو شرعی رخصتوں سے منہ نہیں موڑنا چاہئے، اور محنت مشقت کے پیشوں اور صنعتوں میں (مثلاً لوہارگیری وغیرہ میں) جو سفر سے کہیں زیادہ سخت اور دشوار ہوتی ہیں رخصتوں کو استعمال نہ کرنا چاہئے۔ اور اگرچہ (مطلقہ یا بیوہ عورت کو) یقین ہو کہ (اس کا) رحم بچہ سے خالی ہے پھر بھی (طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد) عدت پوری کرنی چاہئے، اسے چھوڑنا نہیں چاہئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تمام ظاہری صورتیں اپنی مصلحتوں سے قطع نظر کر کے شارع کی اطاعت کے لحاظ سے مقصود لذاتہا ہو گئی ہیں [1] (کہ انہی کو من

[1] یعنی اگر شارع کی اطاعت کرنی ہے تو اس کے احکام کو ان کی ظاہری صورت میں جو شریعت میں بیان ہوئی ہے بجالاؤ۔ اور شارع نے جس مصلحت سے اس کو فرض کیا ہے اس کو نہ دیکھو۔ (وہ صرف ایک علمی بات ہے۔ عمل کے وقت اس مصلحت کو پیش نظر نہیں رکھیں گے) اسکی تفصیلی بحث حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھئے۔ (معراج محمد)

و من بجالانا شارع کو مطلوب ہے)۔ بالکل اس طرح جیسے بعض تجربہ کار عقلاء و حکماء نے بعض مباح چیزوں کو بعض دنیوی مصالح و فوائد کے پیش نظر (لوگوں میں) رائج کیا ہے۔ تو جو لوگ ان فوائد اور مصالح کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان حکماء و عقلاء کی مروجہ صورتوں کو عمل میں لاتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں ان فوائد و مصالح کو حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے۔

پھر حکماء کی مقرر کردہ یہ صورتیں رفتہ رفتہ عوام الناس میں رواج پاجاتی ہیں اور رسوم ورواج کہلاتی ہیں) اوران کی مصلحتیں تو اکثر لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہ جاتی ہیں اور صرف مروجہ صورت (ظاہری رسم) ہی سب عوام وخواص میں مسلّم (اور مقبول) ہو جاتی ہے۔ اور اکثر لوگ اس مروجہ مخصوص صورت (رسم) کو قائم اور محفوظ رکھنے کے لئے (اس صورت کے مصلحتِ مذکورہ پر مشتمل ہونے سے قطع نظر کر کے) خاص کوشش اور محنت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر مذکورہ مصلحت اس مخصوص صورت میں باقی نہ رہے یا اس (رسم) کے ادا کرنے میں طرح طرح کی تکلیفیں اور مضرتیں پیش آجائیں تو بھی اس کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ اسی طرح اگر اس مذکورہ مصلحت کے حاصل ہونے کا اس مروجہ رسم کے علاوہ کوئی دوسرا آسان طریقہ معلوم ہو جائے تب بھی وہ اس پہلے والے طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا آسان طریقہ اختیار نہیں کریں گے، اور اس مذکورہ صورت کو چھوڑنے والا اس کے اکثر ادا کرنے والوں میں اس قدر مطعون ہوتا ہے اور اس پر اتنی ملامتیں ہوتی ہیں کہ اصل مصلحت کو چھوڑنے والے پر نہیں ہوتیں پس اس وقت اس مروجہ صورت کو رسم کہتے ہیں۔ مثلاً اگلے زمانہ کے عقلمندوں نے مردہ کو صدقات وخیرات کا ثواب پہنچانے کے

واسطے کھانا کھلانے کا طریقہ مقرر کیا تھا۔ اور چونکہ محتاج رشتہ دار ہر قسم کے صدقات وخیرات دیئے جانے کے سلسلہ میں سب سے مقدم رکھے گئے ہیں، اور پہلے (شرعی حقدار وہی ہیں لہٰذا اگلے لوگ) رشتہ دار محتاجوں کو غیر رشتہ دار محتاجوں پر مقدم رکھتے تھے لیکن یہ امر (یعنی قرابت داروں اور رشتہ داروں کو پہلے دینے کا طریقہ) رفتہ رفتہ ہمارے اس زمانہ میں اس حد کو پہنچ گیا ہے اور اس نے یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ سوم (تیجہ)، چالیسویں اور عرسوں کا کھانا جب اقربا میں تقسیم کیا جاتا ہے تو اس موقع پر "میت کی طرف سے صدقہ" یا "محتاجوں کی امداد" کے الفاظ بالکل بیان نہیں کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ الفاظ یعنی "میت کی طرف سے صدقہ" یا "محتاجوں کی امداد کے لئے" اس موقع پر بیان کئے جائیں تو اغلب یہی ہے کہ اکثر معزز رشتہ دار اس کھانے کو قبول نہیں کریں گے بلکہ اس کو اپنے حق میں گالی سمجھیں گے اور اپنی بے عزتی اور توہین تصور کریں گے۔

اور (کسی رشتہ دار وغیرہ کی وفات کے بعد) کھانا کھلانا اور (رشتہ داروں) کی دعوت کرنا خاص و عام میں ایسا مروج ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مرنے والے (عزیز) کے واسطے طرح طرح کی خیرات اور صدقات کرے لیکن اس کھانے کو مروجہ طریقہ سے تقسیم نہ کرے[لہ] تو اس کو خوب طعنے دیئے جائیں گے اور خوب ملامت کی جائے گی اور اگر اپنے مرنے والوں کے لئے یا ان کی طرف سے وہ کبھی بھی صدقہ و خیرات نہ کرے لیکن مروجہ طریقہ سے کھانا کھلا دے یا کھانا تقسیم کر دے تو پھر اس کو کوئی طعنہ نہیں دے گا اور نہ ملامت کرے گا۔

لہ مثلاً مخصوص دنوں میں جیسے جمعرات کے دن کھلانا اور مخصوص قسم کے لوگوں کو کھلانا وغیرہ ۱۲

پس ہمارے زمانہ میں (مرنے والوں کے واسطے) کھانا تقسیم کرنا ایک قسم کی رسم ہے عبادت نہیں ہے۔

لہٰذا جو کوئی ایسے اعمال کو رسم سمجھ کر کرتا ہے اس کے حق میں یہ عمل بدعاتِ حکمیہ میں داخل ہے۔

اور جو شخص اس عمل کو مُردوں کے ثواب کا ذریعہ سمجھ کر انجام دیتا ہے تو اس کے حق میں یہ کام بدعاتِ حقیقیہ (حقیقی بدعتوں) کی قسم سے ہے۔

اور جو شخص اس کام کو یہ جان کر عمل میں لاتا ہے کہ اس سے مُردوں کی روحیں اس کی طرف متوجہ ہوں گی یا اس سے مُردوں کی خوشنودی حاصل ہو گی۔ اور پھر یہ سمجھتا ہے کہ مُردوں کی روحوں کو متوجہ کرنے سے اس کی حاجتیں پوری ہوں گی یا اپنے مقاصد و مطالب حاصل ہوں گے، اور اسی طرح یہ خیال کرتا ہے کہ اگر ان مذکورہ رسموں کو چھوڑ دیا جائے تو ان مُردوں کی طرف سے لعنت اور پھٹکار پڑے گی، اور مصیبت اور وبال میں پھنسے گا، اور اس کے مطالب و مقاصد سب درہم برہم ہو جائیں گے۔ لہٰذا وہ ایسا کرنے سے باز رہتا ہے (اور وہ رسمیں بجا لاتا ہے) تو یہ کام ایسے شخص کے حق میں شرک کی قسم سے ہے۔

اور جو شخص کسی امیر یا نواب کی سرکار میں اپنا تعارف کرانے یا شناسائی حاصل کرنے کے لئے سوئم اور چہلم وغیرہ کی تقریب منعقد کر کے اس کا کھانا ان کو ہدیہ کے طور پر بھیجتا ہے تو یہ عمل اس کے حق میں معاش کے کاموں میں سے ہے۔

اور جو شخص اتفاقاً دوست واحباب کے جمع ہو جانے کی وجہ سے کبھی کبھی یہ تقریبات منعقد کرے گا تو اس کے حق میں یہ کام لہو ولعب اور کھیل تفریح کی قسم

سے ہے۔ اگر وہ اس میں بہت روپیہ پیسہ صرف کرے تو اسراف اور فضول خرچی کی حد میں داخل ہو جائے گا۔

الغرض رسم کے معنی یہ ہیں کہ شرعی طور پر مباح کاموں میں سے کوئی نیا کام اکثر عوام الناس میں ایک لازمی امر کے طور پر اس حد تک مروج ہو گیا ہو کہ اس کو ترک کرنے والے پر ان میں سے اکثر لوگ اس پر لعن طعن کریں اور اس کو ملامت کا نشانہ بنائیں۔ اور یہ کام اکثر لوگوں میں محض اپنے بزرگوں کی تقلید یا اپنے ہم عصر احباب اور بھائی بندوں کی پیروی کی بنا پر رائج ہو گیا ہو، تو ایسے کام کو ہم رسم کہتے ہیں۔

پس معلوم ہونا چاہئے کہ شادی وغمی اور ولادت وختنہ کی تمام رسوم اور وہ رسمیں جو عوام الناس میں عزت وشرافت کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً نکاح میں مہر کی مقدار بہت زیادہ رکھنا، اور کسب ومعاش کے باب میں بعض پیشوں اور صنعتوں سے بچنا حالانکہ ان کی ضرورت ہے، جیسے بیوہ عورت کا دوسرے نکاح کرنے سے پرہیز کرنا، اور اپنی ضروریات پورا کرنے کے کاموں میں مشغول ہونے کو برا سمجھنا مثلاً (اپنی ضروریات کی چیزیں) خریدنا یا فروخت کرنے اور اپنا ساز وسامان خود اٹھانے کو برا سمجھنا، اور پیرزادوں اور مولوی زادوں کا سپاہیوں کی وضع کا لباس (وردی) پہننے اور اسلحہ وہتھیار وغیرہ اٹھا کر چلنے کو برا سمجھنا، یہ اور اس قسم کے سب کام اکثر لوگوں کے حق میں بدعاتِ حکمیہ میں داخل ہیں۔

چوتھا مسئلہ

انبیاء علیہم السلام کا اتباع ان احکام واشغال میں جو انبیاء علیہم السلام

کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، یا ان لغزشوں میں جو بہ تقاضائے بشریت اُن سے صادر ہوئی ہوں، یا ان احکام میں جو خود ان کی نص وحکم سے ان کے بعض امتیوں کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے ان کے سو جانے سے ان کا وضو نہ ٹوٹنا، چار عورتوں سے زائد کو ایک وقت نکاح میں رکھنا جائز ہونا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور جیسے کہ مشرک کے واسطے استغفار کرنا اور منافق کی نماز جنازہ پڑھنا جو غلطی سے ہوا ہے، یا جیسے دوسرا نکاح منع ہونا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے، اور واجب صدقات کے لینے سے پرہیز کرنا، یعنی زکوٰۃ، صدقہ عید الفطر اور نذر وکفاروں کے صدقات (اپنی ذات پر استعمال کے لئے) لینا کہ یہ سب بنی ہاشم کو لینے منع ہیں اور انہی کے ساتھ مخصوص ہے، اور دو گواہوں کی جگہ صرف ایک گواہ کی گواہی کافی ہونا جو مخصوص ہے ذو الشہادتین[1] کے ساتھ۔ اور جنت میں جانے کا قطعی حکم جو بعض صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ امور اور ان جیسے دیگر امور بدترین بدعاتِ حقیقیہ شمار ہوں گے اس کے حق میں جو ان (مخصوص) احکام کے عام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور لغزشوں کے اتباع کو حصولِ ثواب کا ذریعہ سمجھتا ہو۔

اور یہی امور بدعاتِ حکمیہ شمار ہوں گے اس شخص کے حق میں جو ان پر صرف عمل کرتا ہو بشرطیکہ وہ عمل شرعاً ممنوع نہ ہو، جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح

[1] یعنی حضرت خزیمہ بن ثابت رضؓ کے ساتھ جن کی گواہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ ۱۲ مترجم

کرنا (یعنی بیک وقت چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا کہ وہ شرعًا منع ہے) اور دیگر تمام لغزشوں کی طرح (کے اعمال).

پانچواں مسئلہ

صحابہ و تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کسی ایسے کام میں کرنا جو ان میں سے کسی سے بطور شاذ و نادر کے صادر ہوا ہو (اور ایسا نہ ہو کہ وہ سب یا ان کی اکثریت عام طور پر اس کو کرتی آئی ہو) اور وہ کام اگر تعامل یا رواج کی حد کو پہنچا ہو تو اس پر انکار و اعتراض کیا گیا ہو۔ اور اس کی تائید میں کوئی دلیل قرآن مجید اور حدیث شریف اور مجتہدین سے منقول صحیح قیاس سے قائم نہ ہوئی ہو۔ جیسے اہل قبور اور مردہ لوگوں سے مدد مانگنا جو ایک روایت کے مطابق ایک اعرابی (بدّو) نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کیا۔ یا جیسے عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اور متعہ کے حلال ہونے کا حکم اور (وضو میں) پاؤں پر مسح کرنے کا حکم جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔ اور عود (بانسری یا سارنگی) بجانا جو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے منقول ہے۔ اور اگر تین طلاق دی ہوئی عورت کو اس کا دوسرا خاوند بغیر صحبت و جماع کئے چھوڑ دے تو بھی وہ (پہلے خاوند سے نکاح کے لئے) حلال ہے[1]، جو حضرت سعید بن المسیبؒ (تابعی)

[1] مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کا خاوند تین طلاق (طلاق بائنہ) دے دے تو اب وہ دوبارہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اس عورت سے کوئی دوسرا شخص نکاح کرے اور اس سے ہم صحبت ہو۔ اور پھر وہ بھی اس کو طلاق دے دے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ کے نزدیک دوسرے شخص کے

(باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

سے منقول ہے۔ اسی طرح سے اور دوسرے کام ہیں جو اگرچہ انہی زمانوں میں (یعنی صحابہ رضو تابعین و تبع تابعین رح کے زمانوں میں) ظاہر ہوئے اور بعض لوگوں نے کئے لیکن انہی زمانوں میں اہلِ حق نے ان پر اعتراض اور انکار کیا اور ان کو بُرا سمجھا۔ جیسے امراء و حکام کا تختِ حکومت پر بیٹھنا اور ان کے ملازموں، خادموں اور درباریوں کا ان کے سامنے (باادب) کھڑا رہنا جو حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ اور خطبہ (دیتے وقت) منبر پر بیٹھنا جو انہی کے بارے میں نقل کیا گیا ہے بلکہ تمام (خلفائے) بنو امیہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ اور جمعہ کے خطبہ میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا جو بنو امیہ کے بعض سرداروں (خلفاء) کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ اور عیدگاہ میں (خطبہ کے لئے) منبر بنانا اور خطبہ کو عید کی نماز سے پہلے پڑھنا، یہ بھی انہی (خلفائے بنو امیہ) کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح کے اور دوسرے کام جو کہ اس زمانہ میں ظاہر ہوئے اور لوگوں سے عمل میں آئے لیکن اہل حق نے ان پر اعتراض کیا یا ان کو رد کر دیا (اور قبول نہیں کیا)۔

(الغرض) ایسے تمام امور بدعاتِ حقیقی کی قسم سے ہیں بشرطیکہ ان کا کرنے والا ان کو سنت کی قسم سے ملا ہوا شمار کر کے ان کی پیروی کرے۔ ورنہ وہ بدعاتِ حکمی کی قسم سے ہیں جبکہ وہ شرعًا ممنوع نہ ہوں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس سے ہم صحبت ہونے کی شرط ضروری نہیں ہے بلکہ صرف نکاح ہونا کافی ہے۔ جمہور علماء نے ہم صحبت ہونے کی شرط ایک حدیث کی وجہ سے لگائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے ۱۲ مترجم

چھٹا مسئلہ

معلوم ہونا چاہئے کہ اگرچہ شریعت میں بہت سے افعال واقوال اور اخلاق وخصائل کو کفر اور نفاق کی شاخوں میں شمار کیا گیا ہے[۱]، لیکن جب کسی مخصوص شخص کو کافر یا منافق کہا جائے گا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ وہ شخص کفر یا نفاق کا عقیدہ رکھتا ہے (یعنی اس کے عقائد کافرانہ یا منافقانہ ہیں)[۲]

اسی طرح یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگرچہ ہزاروں کام بدعت کی قسم سے ہیں جن میں صرف چند کاموں کو یہاں بیان کیا گیا ہے، لیکن جب کسی مخصوص شخص کو مبتدع (بدعتی) یا صاحبِ بدعت کہا جائے گا تو اس کے معنی یہی سمجھے جائیں گے کہ وہ شخص بدعت کا عقیدہ رکھتا ہے۔ پس بدعت حقیقی کی باقی اقسام کے کر لینے سے یا بدعتِ حکمیہ کی تمام قسموں کو عمل میں لانے کی بنا پر اُن کے کرنے والے کو مبتدع (بدعتی) یا صاحبِ بدعت نہیں کہیں گے، جیسا کہ بعض اقوال وافعال وخصائل کو (بے شک) کفر ونفاق کی شاخیں قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ سامعین ان باتوں سے اجتناب کریں اور بچیں۔ یہ مقصد (ہرگز) نہیں ہے کہ جو احکام قرآن مجید میں کافروں اور منافقوں کی بابت آئے ہیں مثلاً ان کو قتل کرنا، ان کا مال لوٹنا، اُن کو لونڈی غلام بنانا، یا ان کو

---

[۱] جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے نسب میں طعن کرنا یا اس کو گالی دینا کفر ہے، یا فرمایا ہے کہ وعدہ خلافی کرنا نفاق ہے ۱۲ مترجم

[۲] یعنی ان مذکورہ بالا افعال واقوال وخصائل رکھنے والے کو کافر نہیں کہیں گے۔ بلکہ کافر اس کو کہیں گے جو کافرانہ عقائد رکھتا ہو ۱۲ مترجم

قید کرنا اور ان پر جزیہ عائد کرنا (اور دیگر احکام) جو کفار کے حق میں آئے ہیں، اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھنا حرام ہونا، اور ان کی قبروں کی زیارت ممنوع ہونا اور ان کے مرنے والوں کے لئے دعائے استغفار منع ہونا (وغیرہ احکام) جو منافقین کے بارے میں وارد ہوئے ہیں، تو یہ احکام مذکورہ بالا افعال واقوال اور خصائل کے کرنے والوں پر بھی جاری کئے جائیں۔ (یہ احکام ان پر جاری نہیں کئے جائیں گے)۔

اسی طرح یہاں بدعت کی (مختلف) اقسام کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سامعین (وقارئین) ان تمام مذکورہ اقسام بدعت سے اجتناب کریں اور خالص سنت نبوی کے طریق کو اختیار کریں۔ یہ مقصد نہیں کہ جو احکام بدعتیوں کی بابت حدیث شریف میں آئے ہیں وہ ان لوگوں پر جاری کئے جائیں جو مذکورہ بالا اقسام بدعت میں سے کسی بھی قسم کے مرتکب ہوئے ہوں، مثلاً ان کے اعمال حبط ہونا، ان کی تعظیم وتوقیر حرام ہونا، ان کی عیادت وبیمار پرسی نہ کرنا، ان کے ساتھ ملنے جلنے اور اٹھنے بیٹھنے سے بچنا، اور ان کے ساتھ بات چیت اور سلام میں ابتدا کرنے سے پرہیز کرنا۔

ایسے ہر شخص کو جو کہ منصف مزاج اور طالب حق ہے اس غلو اور انتہا پسندی کی راہ سے بچنا چاہئے۔ نعوذ باللہ من ذالک (ہم اس سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں) ❊

فائدۂ سوم

وہ امور جو ظاہر نظر میں بدعت سے مشابہ اور ہم شکل ہیں لیکن درحقیقت وہ بدعت میں داخل نہیں ہیں

یہ فائدہ کئی مسئلوں پر مشتمل ہے:۔

پہلا مسئلہ

قرآن مجید کا جمع کرنا، اور اس کی سورتوں کو (موجودہ ترتیب کے ساتھ) مرتب کرنا[1]، اور نماز تراویح کا اہتمام ایک مخصوص صورت (بالجماعت) کے ساتھ کرنا[2]، اور نماز جمعہ کے واسطے پہلی اذان مقرر کرنا[3]، اور قرآن مجید میں اعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) لگانا[4] اور بدعتیوں سے دلائل نقلیہ کے ساتھ مناظرہ کرنا[5]، حدیث کی کتابوں کو

[1] جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دیگر صحابہ رضؓ نے سرانجام دیا ۱۲ مترجم

[2] جو حضرت عمر فاروق رضؓ نے شروع کیا ۱۲ مترجم

[3] جو حضرت عثمان رضؓ نے مقرر کی ۱۲ مترجم

[4] جو حجاج بن یوسف ثقفی نے تابعین رضؓ کے زمانہ میں لگوائے ۱۲ مترجم

[5] جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحؒ نے کیا ۱۲ مترجم

لکھنا[1]، اور اسی طرح نحو کے قاعدے بنانا[2]، حدیث کے راویوں پر تنقید کرنا (علم جرح و تعدیل کے مطابق)، اور ضرورت کے مطابق فقہی احکام کے استنباط میں مشغول ہونا۔ یہ سب باتیں سنت کے ساتھ ملحق ہیں، (یعنی سنت میں داخل ہیں، بدعت نہیں ہیں)، کیونکہ یہ زمانہ خیر القرون (صحابہ رضؓ، و تابعین رحؒ و تبع تابعین رحؒ کے دور) میں رواج پاکر پھیلیں اور ان پر تعامل بغیر ردّ و انکار کے اس زمانہ میں جاری رہا چنانچہ علم تاریخ کے ماہرین سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہیں۔

البتہ ایک بات ضرور ہے، وہ یہ کہ شریعت میں جو امور جائز اور قابلِ تعریف (ممدوح) ہیں ان میں بھی باہم درجہ بندی ہوتی ہے اور کم اہم اور زیادہ اہم کے لحاظ سے، نیز کم فضیلت اور زیادہ فضیلت (شرافت و اشرفیت) کے لحاظ سے، اور حسن و احسن (اچھے اور زیادہ اچھے) کے لحاظ سے ان کے مختلف مراتب اور درجے ہوتے ہیں۔ اگر ان کے درجوں اور مرتبوں میں کوئی تبدیلی کی جائے تو اس سے بدعت لازم آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے (قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا) ۔ مثلاً جو ترتیب آیاتِ قرآنی میں ایک دوسرے کے ساتھ پائی جاتی ہے، اور اسی طرح جو ترتیب اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ اور بقیہ تمام قرآنی سورتوں کو نماز میں پڑھنے کے سلسلہ میں مقرر ہے وہ مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے اس ترتیب سے بہت بڑھ کر ہے جو قرآنی سورتوں میں باہم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اول الذکر ترتیب سنت حقیقی کی قسم سے ہے جب کہ دوسری سنت

[1] جو بعض صحابہ رضؓ اور بعض تابعین رضؓ نے کیا ۱۲ مترجم

[2] جس کا آغاز حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت علی رضؓ نے کیا ۱۲ مترجم

سے ملحق ہے۔ مثلاً اگر کسی نے نماز کی قراءت میں فاتحہ سے پہلے کوئی سورت پڑھ لی یا مطلق قراءت میں کسی سورت کو بسم اللہ سے پہلے پڑھ لیا، یا بسم اللہ کو اعوذ باللہ سے پہلے پڑھ لیا، یا ایک سورت میں ہی اس کی آیتوں کو آگے پیچھے کر کے پڑھ لیا تو شریعت کی جانب سے اس پر بہت سخت تنبیہ عائد ہوگی، یا تلاوت قرآن کی فضیلت پانے سے ایسی محرومی لاحق ہوگی کہ اگر اس نے قرآن مجید پڑھتے میں سورتوں کی ترتیب کا خیال نہ رکھا ہو تو اس کے دسویں حصہ سے بھی کم محرومی لاحق ہوگی۔ پس اگر کوئی شخص قرآنی سورتوں کی ترتیب کو آیتوں کی ترتیب کے مثل سمجھ کر سورتوں کو ان کی مقررہ ترتیب کے مطابق پڑھنے پر زور دے یا اس کے لئے سخت کوشش کرے یا ان کی ترتیب چھوڑنے پر سخت انکار واعتراض کرے تو بے شک یہ ترتیبِ مذکور (اور اس ترتیب کے مطابق پڑھنے پر زور دینا) اس کے حق میں ایک قسم کی بدعت ہو جائے گا۔ اور اگر کسی دور میں یہ رواج ہو جائے کہ تلاوت کلام پاک کرتے وقت سورتوں کی ترتیب کو لازماً ملحوظ رکھا جائے اور ان کی ترتیب کے مطابق ہی پڑھا جائے تو بے شک اس وقت ان لوگوں کو اس سے منع کرنا اور اس پر اعتراض کرنا گویا اس سلسلہ میں سنت کو زندہ کرنا اور بدعت کو مٹانا (احیائے سنت و اخمالِ بدعت) شمار ہوگا۔ اور اہل حق پر لازم ہوگا کہ وہ عام مجمعوں اور جلسوں میں (تلاوت کلام پاک کرتے وقت) اس مذکورہ ترتیب کو ملحوظ نہ رکھا کریں (اور سورتوں کو آگے پیچھے کر کے تلاوت کیا کریں) تاکہ اہل زمانہ کا غلو اور افراط کم ہو جائے۔

اسی طرح تراویح کو اس کی مخصوص ہیئت میں نمازِ تہجد کے برابر نہیں سمجھنا چاہئے، جیسا کہ خود تراویح کے بانی یعنی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضؓ کا قول اس

پر صریح دلالت کرتا ہے۔ آپ رضؓ نے فرمایا:

فَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ بِهَا۔

پس وہ چیز جس کو چھوڑ کر تم لوگ سو جاتے ہو (یعنی تہجد) اس سے بہتر اور افضل ہے جس کا تم لوگ اہتمام کرتے ہو (پڑھتے ہو یعنی تراویح)

دوسرا مسئلہ

وہ احکام جو اگلے زمانہ کے مجتہدین نے استنباط کیے ہوں، خواہ اس طور پر ہوں کہ فلاں امر (کام) واجب ہے یا مستحب ہے یا مباح ہے یا مکروہ ہے یا حرام ہے۔ یا اس طرح پر ہوں کہ فلاں امر (کام) فلاں کام کا رکن ہے یا اس کی شرط ہے یا اس کی مکمل شکل ہے یا اس کا سبب ہے یا اس کا لازمہ ہے یا اس کا اثر ہے یا اس کا ثمرہ و نتیجہ ہے یا اس کے منافی و مخالف ہے، یا اس کا عوض ہے یا اس کا مثل و مانند ہے۔ اور یہاں امر کے عام معنی مراد ہیں، یعنی خواہ وہ عقلی عقائد ہوں، یا قلبی امور ہوں یا افعالِ جوارح واعضاء ہوں مثلاً عبادات یا عادات یا معاملات۔ تو یہ سب (احکام مستنبطہ) سنتِ حکمیہ کی قسم سے ہیں، بدعت کی قسموں میں سے کسی قسم میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ یہ مذکورہ احکام محدثات (نئی پیدا شدہ اشیاء) کی قسم سے بالکل نہیں ہیں چہ جائیکہ وہ بدعت ہوں۔

لیکن ان احکام کے سنتِ حکمیہ میں داخل ہونے کے لئے تین شرائط ضروری ہیں (اگر وہ شرائط موجود نہ ہوں گی تو وہ بدعات میں شمار ہوں گے)۔

پہلی شرط:- پہلی شرط یہ ہے کہ جس قیاس کے ذریعہ وہ احکام مستنبط کیئے

گئے ہیں وہ قیاس فی نفسہٖ صحیح ہو (فاسد نہ ہو)۔ اور قیاس کے صحیح ہونے کی شرائط اصولِ فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ پس جو قیاس فی نفسہٖ صحیح نہیں ہے وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے اگرچہ وہ اگلے زمانہ کے مجتہدین سے ہی منقول ہو۔ مثلاً مُردوں کی طرف سے زندوں کے نیابت کرنے کے سلسلہ میں بدنی عبادات کو مالی عبادات پر قیاس کرنا کہ اس کا فاسد ہونا ظاہر ہے، اس لئے کہ بدنی عبادات کے دینی امور میں داخل ہونے کی علت اور مقصد یہ ہے کہ نفسِ امّارہ سے حق تعالیٰ کی طاعت و بندگی کرا کے اسے تھکایا جائے اور عبودیت کے تذلّل کا اظہار کیا جائے اور افعال و عبادات کی کیفیات کو اپنے روحانی مزاج میں جذب کیا جائے۔ بالکل اس طرح جیسے ہم دواؤں اور غذاؤں کی کیفیات کو اپنے جسمانی مزاج میں داخل کرتے ہیں، اور جسمانی کاموں کی مزاولت و مشق کے ذریعہ اپنے نفس میں ملکہ و مہارت اور استعداد پیدا کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان امور میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جانوروں، بچوں اور عورتوں کو ادب آداب سکھانے اور ان کے اخلاق و عادات درست کرنے میں بھی نیابت جاری ہو (کہ سکھائیں کسی ایک کو اور سیکھے دوسرا)۔ اور اسی طرح بڑوں کی تعظیم و توقیر کے بارے میں، اور کھانے پینے اور جماع کرنے میں اور دوا دارو و علاج معالجہ کرنے میں، اور علوم و فنون سکھانے میں اور صنعت و حرفت کی تربیت دینے میں، جسمانی ورزش اور روحانی ریاضتوں، مراقبوں اور دیگر اشغال میں بھی نیابت جاری ہو، اور ان مذکورہ بالا چیزوں کے فائدے نائب سے مُنیب (جس کا نائب ہے یا نائب بنانے والے) کی طرف منتقل ہو جائیں۔ لیکن عادتِ الٰہیہ

کے لحاظ سے یہ امر محال ہے، اگرچہ قدرتِ الٰہی کے لحاظ سے ممکن ہے۔

اسی طرح مالی عبادات کے دینی امور میں داخل ہونے کی علت اور مقصد یہ ہے کہ مفلسوں اور حاجتمندوں کی حاجات دور کی جائیں، ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے اور ملکی نظام سیاست و حکومت کو قائم رکھا جائے اور ملت اسلامیہ کے کمزور لوگوں کو تباہ و برباد ہونے سے بچایا جائے۔ اور ایسے کاموں میں نیابت (نائب ہونا) عُرف (رواج) اور شریعت دونوں میں جاری ہے۔ جیسے قرضوں کا ادا کرنا، اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا اور اجیروں اور نوکروں کے واجبات ادا کرنا، اسی طرح مقدمات و خصومات کے فیصلے کر کے، نیز چوروں، رہزنوں اور ڈاکوؤں کو سزائیں دے کر ملک کے انتظام کو قائم رکھنا۔ اور اسی طرح علوم کی تعلیم دے کر دین و مذہب کے نظام کو برقرار رکھنا یہ اور ان جیسے دیگر امور ایسے ہیں کہ ان میں نیابت و قائم مقامی جاری ہے (ایک شخص کی جگہ دوسرا یہ امور انجام دے سکتا ہے)۔ یہ امور جب کوئی نائب سر انجام دیتا ہے تو وہ منیب (نائب بنانے والے) کی طرف ہی منسوب ہوتے ہیں۔ اور ان کے نتائج و ثمرات مثلاً قرضوں کی ادائیگی سے فراغت، اور ان کاموں کو سر انجام دینے سے نیک نامی کا ہونا اور بادشاہوں کے دربار میں عہدوں کی ترقی ہونا یہ سب منیب (نائب بنانے والے) کی طرف عائد ہوتا ہے۔ پس نیابت کے سلسلہ میں ان دونوں (اقسام کی عبادات) کا ایک دوسرے پر قیاس کرنا درحقیقت علّتِ جامعہ کا قیاس ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو حکم قیاسِ فاسد کے ذریعہ مستنبط کیا گیا ہو وہ بدعت کی قسم سے ہے، اگرچہ اس کا استنباط کرنے والا (گنہگار نہیں بلکہ) معذور

ہے۔ ایسا حکم سنتِ حکمیہ کی قسم سے نہیں ہے، اس لیے کہ قیاس کرنے والے نے جس (نص) کو اپنے حکم کی نظیر سمجھ کر اس پر قیاس کیا ہے وہ درحقیقت اس کی نظیر ہی نہیں ہے۔ پس حقیقت میں وہ حکم محدث (نو ایجاد) ہوگا۔ اور جب اس مذکورہ حکم کو شرعی حکم تصور کیا جائے گا تو وہ محدث کام دین میں محدث (نو ایجاد کردہ) ہوگا۔ اور بدعت کے یہی معنی ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا مجتہد ہو مقلّد نہ ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگرچہ ایک چیز کی نظیر کا وجود نص میں اس چیز کی نظیر کے حکم میں موجود ہے لیکن اس چیز کا معلوم ہونا کہ فلاں چیز فلاں چیز کی نظیر ہے (یا نہیں؟) یہ بات ذہانت اور فطانت پر موقوف ہے۔ کیونکہ ہماری موجودہ بحث میں نظیر سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز حکم کی علت میں اس کے ساتھ شریک ہو (یعنی دونوں چیزیں حکم کی علت میں باہم شریک ہوں اور دونوں میں ایک ہی علتِ حکم پائی جائے) نہ کہ باقی اوصاف وخصوصیات میں دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں۔ اور کسی چیز کے (مختلف) اوصاف وخصوصیات میں سے علّت کو پہچاننے کا ملکہ اجتہاد کے عمدہ ارکان میں سے ہے۔[1] اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کمالِ مشابہت کی وجہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کی نظیر قرار دے دیتا ہے اور اصل چیز کا حکم فرع (شاخ) پر جاری کر دیتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ چیز اس اصل چیز کی نظیر نہیں ہوتی کیونکہ وہ حکم کی علّت میں اس کی شریک

---

[1] اور اسی علّت پر حکم کا مدار ہوتا ہے، نہ کہ سبب یا مقصد پر ۱۲ مترجم

نہیں ہے۔[1] پس اس چیز پر اصل کا حکم جاری کرنا درحقیقت محدثات کی قسم سے ہے، اگرچہ وہ شخص مذکور اس کو سنتِ حکمیہ کی قسم سے شمار کرے۔ مثلاً کسی بادشاہ نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ زید کی عزت وتکریم کریں۔ اور زید درحقیقت اپنی صورت اور سیرت اور پیشہ کے اعتبار سے بہت سی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ ان میں سے ایک صفت علم کی بھی ہے، اور یہی علم دراصل عزّت وتکریم کے حکم کا مدار ہے، اب ایک اور شخص عمرو نامی اس زید کے ساتھ صورت، شکل، عادات، پیشے اور صنعت، عمر اور نسب میں پوری پوری مشابہت رکھتا ہے، لیکن جاہل وبے علم ہے۔ لیکن ایک اور شخص جس کا نام بکر ہے وہ مذکورہ بالا تمام باتوں (صورت شکل عادات واطوار وغیرہ) میں زید سے مختلف ہے لیکن عالم ہے (جیسے زید عالم ہے)۔ بس بکر باوجود اس قدر مختلف ہونے کے بھی زید کا نظیر ہے (کیونکہ دونوں عالم ہیں اور حکم کا مدار علم ہے)۔ لہٰذا بادشاہ کا حکم جو زید کی تکریم وتعظیم کے لیئے دیا گیا ہے وہ بکر کی تعظیم وتکریم کو بھی حکماً شامل ہوگا۔

---

[1] اس کی مثال یہ ہے کہ مسافر کے لئے سفر میں رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ورخصت ہے۔ اس رخصت کا سبب یا مقصد یہ ہے کہ سفر کی تکالیف ومصائب کی وجہ سے مسافر کو سہولت یا آسانی فراہم کی جائے۔ اور اس حکم کی علت سفر ہے۔ اب اگر کوئی عالم کسی کسان یا مزدور وغیرہ کو اس کے روزمرہ کے کاموں کی سختی کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ دراصل حکم کے سبب اور علت میں فرق نہیں کرتا۔ اور ظاہری مشابہت کی وجہ سے سبب (یعنی تکلیف دور کرنے کو) حکم کا مدار ٹھہراتا ہے۔ جبکہ حکم کا مدار علت پر ہوگا اور وہ سفر ہے خواہ وہ تکلیف دہ نہ بھی ہو ۱۲ مترجم

لیکن عمرو، زید سے بہت سی صفات میں پوری پوری مشابہت رکھنے کے باوجود زید کا نظیر و مثیل نہیں ہے بلکہ اس سے مختلف ہے، لہٰذا اس کی تعظیم و تکریم بادشاہ کے حکم میں داخل نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف ہے۔

پس جو شخص کسی چیز کے حکم کو اس چیز کی نظیر پر جاری کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ اصل حکم کا مدار معلوم کرنے کی استعداد رکھتا ہو، (اور حکم کی علت شناخت کرنے کا ملکہ اس کو حاصل ہو) ورنہ ممکن ہے کہ وہ بادشاہ کے حکم کی مخالفت کے بھنور میں پھنس جائے۔ اور اسی ملکہ کو یعنی اصل حکم کے مدار (یا علت) کے جاننے کے ملکہ اور استعداد کو ملکۂ اجتہاد کہتے ہیں۔

پس وہ مسئلے جو غیر مجتہدین نے (جن کو ملکۂ اجتہاد نہیں ہے) اپنے قیاس سے نکالے ہیں اور استنباط کئے ہیں ان کے بارے میں تردّد اور شک ہے کہ وہ سنت حکمیہ ہیں یا بدعات حقیقی کی قسم سے ہیں۔ اس لئے کہ مستنبط حکم کو بے شک احکام دین میں شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی چیز کے بارے میں شک و تردّد ہو کہ چونکہ وہ ضعیف روایت سے مروی ہے لہٰذا سنت حقیقیہ (حکمیہ) ہے یا بدعت حقیقیہ تو اس کی جانبِ بدعت کو ہی ترجیح دیتے ہیں (اور بطور احتیاط اس کو بدعت میں شمار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں) اور اس سے بچنے اور احتراز کرنے کو لازمی و ضروری قرار دیتے ہیں جیسا کہ شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اور صاحبِ مجالس الابرار نے اس کی تصریح و توضیح کی ہے پس جب کسی چیز کے بارے میں شک اور تردّد ہو کہ سنتِ حکمیہ ہے یا بدعتِ حقیقیہ، تو اس کے بدعت کے پہلو کو ترجیح دیں گے اور اس کو

بدعاتِ حقیقیہ کی قسم سے شمار کریں گے۔

مختصر یہ کہ اگلے زمانہ کے مانے ہوئے (مسلّمہ) مجتہدین کے ایسے مسائل جو صحیح قیاس کے ذریعہ مستنبط ہوں، وہ تو بے شک سنتِ حکمیہ کی قسم سے ہیں۔ لیکن متاخرین فقہا کی تخریجات بدعات کی قسم سے ہیں[1]، مثلاً ماء کثیر کی مقدار دہ در دہ مقرر کرنا کنوئیں کی اور گرد کی زمین پر قیاس کر کے[2]۔ یا مثلاً عبادات میں نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنے کو مستحب قرار دینے کا حکم باب معاملات میں عقود (یعنی خرید و فروخت) کے الفاظ زبان سے ادا کرنے کے حکم پر قیاس کر کے۔ اسی طرح امام وقت کی اطاعت اور اس کی بیعت کے لازم ہونے پر قیاس کر کے۔ اگلے زمانہ کے مجتہدین میں سے کسی ایک مخصوص مجتہد کی تقلید واجب ہونے کا حکم

---

[1] اگلے زمانہ کے مجتہدین کے مستنبط مسائل سے مراد وہ مسئلے ہیں جو انہوں نے قیاس صحیح کے ذریعہ احادیث نبوی سے نکالے ہیں۔ اور متاخرین فقہا کی تخریجات سے مراد وہ مسائل ہیں جو بعد کے فقہا نے احادیث سے نہیں بلکہ اگلے مجتہدین کے اقوال و فتاویٰ سے نکالے ہیں۔ یا دیگر امور پر قیاس کر کے نکالے ہیں ۱۲ مترجم

[2] ماء کثیر یعنی اتنا بہت پانی کہ اگر اس میں کوئی گندگی پڑ بھی جائے تو اس سے وہ گندہ نہ ہو اس کی مقدار کے تعین میں اختلاف ہے، بعض علماء نے اس کی مقدار بعض احادیث کی روشنی میں قُلّتین مانی ہے لیکن پھر قلتین کی مقدار کے تعین میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض متاخرین فقہا نے اس کی مقدار یہ مقرر کی ہے کہ وہ اتنے بڑے حوض میں ہو جو دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو۔ اسی کو دہ در دہ (۱۰×۱۰) کہتے ہیں۔ مزید تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیے ۱۲ مترجم

دینا اور شیخانِ طریقت میں سے کسی ایک معین شیخ کی بیعت کو لازم کر لینے کا حکم دینا، اسی طرح ایک روایت میں جو منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضؓ کی میت کو بوسہ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی پیشانی کو چوما، اس پر قیاس کر کے قبروں کے چومنے کو جائز قرار دینے کا حکم دینا، اور اسی طرح زندوں کو مال و اسباب ہبہ کرنا (تحفہ میں دینا) شرعاً جائز ہے، اس پر قیاس کر کے مُردوں کو عبادات کا ثواب بخشنے یا ہبہ کرنے کو جائز کہنا، حالانکہ یہ مسئلہ میت کی طرف سے عبادات میں نیابت کرنے کے مسئلہ کے مخالف ہے، یعنی یہ تو بالاتفاق جائز ہے کہ مالی عبادات میں کوئی شخص میت کی طرف سے نائب بن کر مال خرچ کرے، لیکن بدنی عبادات میں میت کا نائب بننا اور اس کی طرف سے بدنی عبادات ادا کرنا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو شراب کے چند برتنوں کا استعمال حرام قرار دیا تھا لیکن پھر یہ حکم منسوخ فرما دیا تو اسی پر قیاس کر کے ان حدیثوں کو منسوخ قرار دینا جن میں مزامیر[1] کی حرمت آئی ہے۔

اسی طرح کی اور بے شمار تخریجات متاخرینِ فقہاء وصوفیہ سے منقول ہیں اور فقہ وسلوک کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔ ان کے اکثر متبعین ان نئی نکالی ہوئی تخریجات کو احکامِ شریعت اور اسرارِ طریقت قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ سب

[1] مزامیر سے مراد گانے بجانے کے آلات یا آلاتِ موسیقی۔ (مترجم)

کی سب بدعات کی قسم سے ہیں۔ ان لوگوں کی سب دلیلیں (ان تخریجات کو احکامِ شریعت و اسرارِ طریقت قرار دینے کے سلسلہ میں) محض شعری لطیفے اور خیالی نکتے ہیں جو ان مذکورہ احکام وتخریجات کو بدعات کی حد و تعریف سے خارج نہیں کر سکتے اور شریعت ایمانیہ اور طریقۂ احسانیہ کے دائرہ میں داخل نہیں کر سکتے (یہ دلائل نہایت کمزور و لوچ ہیں)۔

تیسری شرط یہ ہے کہ سنّتِ حکمی کے مرتبہ کو (جو کہ سنتِ حقیقی اور ملحق بسنّت حقیقی سے کئی درجے کم ہے) محفوظ و ملحوظ رکھے۔ اس کی تفصیل وتشریح یہ ہے کہ اگرچہ اجتہادی مسئلے جو کہ اگلے زمانہ کے مانے ہوئے مجتہدین نے اپنے صحیح قیاس کی مدد سے نکالے ہیں وہ سنتِ حکمی کی قسم سے ہیں، لیکن چونکہ فکرِ انسانی کا ان میں بڑا دخل ہے اور ان میں غلطی کے احتمال کی گنجائش ہے، بخلاف سنتِ حقیقی و ملحق بالسنّت کے، کیونکہ حفاظتِ ربانی اور کفالتِ رحمانی اُس سے متعلق ہے، تو لازماً وہ تمام سراسر نورِ خداوندی کا ایک پر تو ہے کہ ضلالت وگمراہی کی ظلمتیں اُس سے چھٹتی ہیں اور وہم وغلطی کی چمگادڑ اس سے دور رہتی ہے، لہٰذا دونوں مرتبوں میں جو فرق وتفاوت ہے اس کی رعایت ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے۔

مراتب کے اس فرق و اختلاف کی رعایت کو ہم ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں۔ ذرا وہ (مثال) سُنیے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس طرح عادل بادشاہ و سلاطین اپنے امورِ سلطنت کے انتظام کے واسطے اور رعایا پر تعزیری قوانین نافذ کرنے کے لئے کاروبارِ حکومت کے دو قاعدے تیار کر کے ان کو عمل میں لاتے ہیں:

پہلی قسم وہ ہے کہ دائرہ سلطنت کا مرکز وہی ہے اور تعزیری قوانین کے نفاذ کا دارومدار اُسی پر ہے۔ اور وہی حکومت کا اصل محکمہ ہے۔ جیسے کہ سزاؤں کے قاعدے اور تعزیری قوانین مقرر کرنا۔ اور فوج کے سرداروں اور شہر کے حاکموں اور ان کے نائبوں کا تقرر کرنا، اور افواج کو لشکروں میں اور لشکروں کو مختلف دستوں میں تقسیم کرنا، اور بڑے سرداروں کو لشکروں پر اور چھوٹے سالاروں کو (فوجی) دستوں پر معین کرنا۔ اسی طرح پورے ملک کو ضلعوں میں تقسیم کرنا اور ضلعوں کو شہروں اور قصبوں میں اور شہروں کو محلوں میں تقسیم کرنا۔ اور ہر ضلع پر ایک بڑے حاکم کو متعین کرنا اور ہر شہر پر ایک چھوٹے حاکم و سردار کو، اور ہر محلہ پر ایک گذربان (چودھری) کو۔ اور یہ سب کام ایسے فرمان اور حکمنامے فوجی اور شہری حاکموں کو بھیج کر سرانجام دینا جن میں آئین و قوانین اور تعزیری ضوابط و دیگر احکامِ سیاست درج ہوں، اور ان فرامین میں ان امراء و حکام کو اس بات پر مامور کیا جائے کہ وہ یہ سب احکام و قوانین بزور و قوت جاری و نافذ کریں گے۔ اور اعلانات و اشتہارات لشکر کے سپاہیوں اور شہریوں میں تقسیم کرنا جن میں احکامِ سیاست درج ہوں، اور اس بات کا تاکیدی حکم ہو کہ وہ اشتہارات و اعلانات میں مندرج احکام و اوامر کی فرماں برداری و تعمیل کریں گے۔ اور اُن امور میں جو ریاست و سیاست سے تعلق رکھتے ہیں وہ اپنے حاکموں کی اطاعت کریں گے اور اسی قسم کے دیگر امور ہیں جو فنِ سیاست و ریاست کے ماہرین سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو کہ پہلی قسم کی تکمیل و تتمیم اور اس کے مقدمات

کی تیاری کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ جیسے امراء و حکام اور رعیت کے پاس احکام و فرامین و اشتہارات پہنچانے کے لئے ہرکاروں اور چوبداروں کو مقرر کرنا۔ اور چھاؤنیوں اور ضلعوں میں صاحبِ فراست و ذکاوت عقلمندوں کو متعین کرنا تاکہ وہ قوانین و آئین کے قالبوں سے، اور فرامین کے اشارات سے، اور اشتہارات کے مضامین سے اصل مقاصد و مطالب سمجھ لیا کریں۔ نظیروں کے احکام کا استنباط کر لیا کریں، اور کم اہم کو زیادہ اہم سے، اور کم قبیح کو زیادہ قبیح سے (یعنی بد کو بدتر سے) جُدا کر لیا کریں، اور امراء و حکام کو مشورہ کے طور پر اور رعایا کو سمجھانے اور تربیت دینے کی غرض سے ان مذکورہ بالا امور سے آگاہ کر دیا کریں۔

اور ایسے مدبرین اور ماہرین و منتظمین کو متعین کرنا جو موقع کی مناسبت اور مقامات اور حالات و زمانہ کے مصالح پر نظر کر کے سرکاری و شاہی احکام کے نفاذ و اجراء کے لئے مناسب طریقے مقرر کریں۔ اور امراء و حکام کو بطور مشورہ ان طریقوں سے آگاہ کریں یا سرکاری و شاہی احکام کی تعمیل کا آسان طریق کار تجویز کریں اور رعایا کو محبت و شفقت کے ساتھ ان احکام (کو ماننے اور بجالانے) کی ترغیب دیں۔

اور اسی طرح ایسے منشی اور کاتبانِ احکام مقرر کریں جو ماہرین بلاغت ہوں اور آئین و قوانین کی زبان، اس کی اصطلاحات سے واقف ہوں۔ نیز دربارِ شاہی میں جو زبان مروج و مستعمل ہو اس کو جانتے ہوں، مزید برآں جو محاورے بادشاہ کے درباریوں اور ملازمین میں مروج ہوں ان سے بخوبی واقف ہوں تاکہ وہ قوانین و فرامین کو (صحیح طور پر) پڑھ کر اور بادشاہ کے حضور

میں (لوگوں کی) عرضیاں لکھ کر امراء کی خدمت اور رعایا کی معاونت کر سکیں۔

اسی طرح دفاتر (شاہی) کے محافظ و نگران اور سرکاری وقائع نویس مقرر کرنا جو شاہی فرامین کے پہنچنے کی تاریخ اور لشکروں کے امراء و سرداروں کے حالات اور اضلاع کے افسران و حکام کے واقعات و کوائف (روزنامچے) لکھا کریں، اور عقلاء کے مستنبط کئے ہوئے احکام، اور مدبرین کی مفید مصلحتیں اور منشیوں کے اہم نکات مرتب کر کے دفاتر و کتب میں قلمبند کریں تاکہ بعد میں آنے والے امراء و عقلاء اور مدبرین اور کاتبین (منشیوں) کے حق میں مفید ہوں اور ان کے کام آئیں۔

اگرچہ یہ دونوں قسمیں انتظام سلطنت اور کاروبار حکومت کا حصہ ہیں لیکن پھر بھی پہلی قسم کا مرتبہ دوسری قسم سے اس قدر بڑا ہے کہ عقلمندوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مثلاً سپاہیوں اور عام رعایا میں سے ہر فرد کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ (شاہی) فرمانوں میں کیا حکم درج ہیں۔ اور ان احکام کو (ملک کے) تمام ضلعوں اور صوبوں کے لشکروں میں مشہور کرنا چاہیئے اور ہر جماعت اور گروہ کے راستہ میں (سرکاری) اشتہاروں کو بلند کھمبوں پہ لٹکانا چاہیئے، اور ہر کوچہ و بازار میں منادیوں اور ڈھنڈورچیوں کے ذریعہ بلند آواز سے ان کا اعلان کرانا چاہیئے اور ہر محفل و مجلس میں ان کا ذکر کرنا چاہیئے، اور ہر لکھے پڑھے اور بے لکھے پڑھے کو ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیئے۔ اگر وہ خود (سرکاری) زبان کو جانتا ہے تو بہت ہی اچھا ہے، ورنہ کوئی بھی دوسرا زبان جاننے والا ملے اُس سے معلوم کرنا چاہیئے اور ہرگز کسی مخصوص زبان دان پہ اس

معاملہ کو موقوف نہیں رکھنا چاہیئے (کہ صرف فلاں شخص سے ہی معلوم کریں گے)۔ اور سپاہیوں میں سے ہر ہر فرد کو، اور رعایا میں سے ہر ہر شخص کو خوب پہچاننا چاہیئے۔ نیز تمام لشکروں کے سالاروں میں سے اپنے لشکر کے سالار کو پہچاننا چاہیئے، اور تمام جماعتوں کے سرداروں میں سے اپنی جماعت کے سردار کی شناخت رکھنی چاہیئے، اسی طرح تمام اضلاع کے ناظمین میں سے اپنے ضلع کے ناظم کی پہچان ہونی چاہیئے، اور تمام شہر کے فوجداروں میں سے اپنے شہر کے فوجدار کو جاننا چاہیئے، اور تمام محلّوں کے گذربانوں (چودھریوں) میں سے اپنے محلہ کے گذربان (چودھری) سے واقف ہونا چاہیئے۔ اور حکومت سے متعلق تمام احکام میں اپنے حاکم کی خصوصیت کے ساتھ تابعداری واطاعت کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ کرے کہ مذکورہ بالا بعض حکموں میں ایک حاکم کی تابعداری کرے اور بعض حکموں میں دوسرے کسی حاکم کی اطاعت کرے۔ اور بوقتِ ضرورت اپنی نسبت کا بھی اظہار کر دینا چاہیئے، خواہ یہ اظہار و اقرار زبان سے ہو کہ "میں فلاں جماعت سے تعلق رکھتا ہوں نہ کہ فلاں جماعت سے"، یا "میں فلاں گذر (لائن یا محلہ) کا آدمی ہوں نہ کہ فلاں گذر کا"۔ یا یہ اظہار معاملات کے کاغذات میں تحریر کے ذریعہ ہو، یا اس کا اظہار کسی جماعت کے مخصوص شعار اور لباس کی وضع قطع اختیار کرنے کے ذریعہ ہو، اس طرح کہ وہ دیگر تمام جماعتوں اور گروہوں سے ممتاز ہو جاتے۔ یہ سب کچھ اپنے آپ کو شاہی ملازمین و سلطانی رعایا کے زمرہ میں داخل کرنے کے لوازمات میں سے ہے۔ اسی طرح لشکروں کا تعین ان کے افراد کی تعداد کے ذریعہ ہونا چاہیئے اور ضلعوں اور محلوں کا تعین حدود کے تعین کے ذریعہ ہونا چاہیئے کہ اتنے آدمی

فلاں امیر (سردار) کے ساتھ منسوب ہیں اور اتنے آدمی فلاں امیر کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اور فلاں مقام سے فلاں مقام تک کا علاقہ فلاں امیر سے متعلق اور اس کی عملداری میں ہے اور فلاں مقام سے فلاں مقام تک کا علاقہ فلاں امیر سے متعلق ہے۔ اور یہ سب کچھ سلطنت کے نظم ونسق اور انتظام کا حصہ ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم ہے کہ عام سپاہیوں میں سے ہر فرد کو اور رعایا میں سے ہر شخص کو عقلمندوں کے نکالے ہوئے احکام معلوم کرنا اور مدبرین کے مقرر کئے ہوئے مصالح کو دریافت کرنا، اور (سرکاری) دفتروں کے منشیوں کے محاوروں اور لطائف کو، اور سرکاری وقائع نویسوں کے محاورات کو معلوم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور ان مذکورہ بالا امور کو (فوجی) لشکروں کے اجتماعات میں اور شہروں کے مجمعوں میں اور ان مذکورہ امور کی تحریروں کو اشتہار کے طور پر ہر گزرگاہ میں لٹکانا اور ہر کوچہ وگلی و بازار میں منادی کرانا اور ہر محفل ومجلس میں ان کا ذکر کرنا اور ہر واقف وناواقف کا اس کی تلاش میں لگنا سلطنت کے آئین وقوانین کی حفاظت سے خارج ہے۔ (اور اس کے کاروبار کا حصہ نہیں ہے) بلکہ اگر بقائمی ہوش وحواس جان بوجھ کر اُس سے یہ امر سرزد ہو جائے تو اغلب یہ ہے کہ اس پر کچھ جرم عائد ہو جائیگا اور ایک گونہ بغاوت سے وہ منسوب ہو جائے گا۔ اور اگر بے عقلی سے یہ کام سرزد ہو تو وہ کمال حماقت وبے وقوفی سے منسوب ہو جائے گا۔

اسی طرح کسی مخصوص آدمی کو، بغیر حکام کی طرف سے معین کئے ہوئے، خود اپنی طرف سے مقرر کرنا چوبداروں اور ہرکاروں کی مثل کہ اگر کوئی

شاہی (سرکاری) حکم اس کی معرفت پہنچے تو قبول کر لینا چاہئے، اور اگر اس کے سوا کسی اور معتبر ہرکارے کی معرفت پہنچے تو قبول نہ کرنا چاہئے۔ یا سمجھدار عقلمندوں اور ماہرین ومدبرین میں سے کسی شخص کو معین کر لینا کہ صرف اسی کے نکالے ہوئے احکام یا اسی کے نکالے ہوئے مصالح (مصلحتیں) سُننی چاہئیں، اور کسی دوسرے کے (نکالے ہوئے) احکام ومصالح کو نہیں سُننا چاہئے، اگرچہ یہ لوگ بھی عقلمند اور صاحب تدبیر ہوں۔ اور اگر کبھی کسی عاقل و صاحب تدبیر سے بوقت ضرورت اس کے نکالے ہوئے حکموں میں سے کوئی حکم یا اس کی مصلحتوں میں سے کوئی مصلحت پوچھ کر عمل میں لایا تو پھر کسی اور سے نہ پوچھے اور نہ کسی اور کے کہے پر عمل کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ اُسی پہلے شخص سے منسوب کرے اور ہر محفل ومجلس میں اسی سے نسبت ظاہر کرے۔ اور دوسرے کسی شخص سے اپنی نسبت کا اظہار کرنا ضروری سمجھے اور جب کبھی معاملات کے کاغذات (یعنی سرکاری ریکارڈ) میں اپنا نام و نسب لکھے تو اس نسبت کو بھی اُن میں ضرور درج کیا کرے، مثلاً یوں لکھا کرے کہ "میں مسمی فلاں جو فلاں شخص کا بیٹا ہوں، حضور والا کا ملازم ہوں، اور حضور والا کے فلاں رسالہ (دستۂ سپاہ) سے منسلک ہوں"۔ اسی کے برابر میں یہ لکھ دے کہ "میں فلاں شخص کا تربیت یافتہ ہوں کہ اپنے ضروری کاموں میں فلاں شخص کے مشورہ اور مصلحت پر عمل کرتا ہوں"۔ یہ اور اسی طرح کے سب اُمور بے وقوفی اور نادانی پر مبنی ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عقلاء ومدبرین میں سے کسی مخصوص شخص کی

تابعداری کو اپنے اوپر لازم کر لینا کہ صرف اسی کے نکالے ہوئے احکام اور اسی کی فائدہ مند مصلحتوں کو اختیار کروں گا سرکاری اور شاہی ملازم ہونے کی حیثیت سے کوئی مفید بات نہیں ہے۔ بلکہ (اس سلسلہ میں) صرف اسی قدر ضروری ہے کہ ان مذکورہ بالا احکام و مصالح میں سے کبھی کسی چیز کی ضرورت پیش آجائے تو کسی بھی عاقل و صاحبِ تدبیر سے (جو وقت پر مل جائے) اس کام کو دریافت کر لیا کرے۔ لیکن پہلے سے یہ سوچ لینا کہ جب بھی مجھ کو کوئی ضرورت پیش آئے گی تو صرف اُسی فلاں آدمی سے پوچھوں گا یا اُن لوگوں میں سے کسی ایک سے پوچھوں گا۔ تو یہ بات شاہی ملازمت کی ضروریات میں سے بالکل نہیں ہے۔ رہا کسی خاص معین شخص سے اپنی نسبت حاصل کرنا اور اسی سے اپنے آپ کو منسوب کرنا اور اپنے قول وفعل میں اپنی اس مخصوص نسبت کو ظاہر کرنا، اور دیگر نسبت والے لوگوں سے اپنے آپ کو جدا اور ممتاز کرنے کے لئے اہتمام کرنا تو یہ سراسر نادانی اور بے وقوفی ہے اور سفاہت در سفاہت ہے۔ اور اگر یہ دعویٰ اس کے ساتھ مل جائے کہ خصوصیت ونسبت کی رعایت آئینِ سلطانی اور فرامینِ بادشاہی کے احکام میں داخل وشامل ہے تو اس وقت اس مذکورہ خصوصیت ونسبت کو ظاہر کرنا بدترین گناہوں میں سے ایک گناہ شمار کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ہوشیار اور منصف مزاج شخص اس مقام پر خوب غور کرے گا تو اس پر یہ ضرور روشن وظاہر ہو جائے گا کہ عقلاء، اور صاحبِ تدبیر لوگوں کے احکام عوام الناس کے لئے ہرگز واجب الاطاعت نہیں ہیں۔ بلکہ اس کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ امراء، وحکام کو اُن

اوامر و احکام سے آگاہ کر دیں۔ اور پھر امراء، وحکام ان احکام کو وقت وحالات کے مناسب سمجھیں تو کسی اچھے طریقہ سے ان احکام کو عوام الناس میں جاری کر دیں۔ تو اس طریقہ سے وہ مذکورہ احکام عام لوگوں کے تعلق سے اس حاکم کی حکومت کے زمانہ میں واجب الاطاعت ہو جائیں گے[1]۔

جب اس مثال کو ہم نے بطور تمہید کے بیان کر دیا تو اب معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت مالک مطلق اور بادشاہ برحق جلّ شانہٗ نے (اپنے) سچے دین اور ملت حقّہ کی تنظیم کے واسطے دو عظیم الشان کارخانے قائم فرمائے ہیں:

پہلا کارخانہ تو وہ ہے کہ دین کے پھیلنے کا دارومدار اسی پر ہے؛ وہ ایسا (عظیم) کارخانہ ہے کہ بادشاہی شان سے تعلق رکھتا ہے یعنی اپنے بندوں کو بالجبر اور لازمی طور پر اپنی اطاعت کا مکلّف بنانا کہ وہ چار و ناچار اسکو ضرور قبول کریں، اور طوعاً وکرہاً (خوشی سے یا ناخوشی سے) اس اطاعت وفرمانبرداری کا پٹہ اپنی گردن میں ڈال لیں۔ اس کارخانہ کا مرکز منصب رسالت ہے۔ پھر اس مرکز کی کئی شاخیں ہیں جو مختلف صاحبِ امر لوگوں کے منصبوں اور عہدوں پر مشتمل

---

[1] یعنی خواہ کیسا ہی باتدبیر اور عقلمند آدمی کوئی عمدہ قاعدہ بنائے تو وہ قاعدہ عام لوگوں کے لئے واجب الاطاعت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی حاکمِ وقت اس قاعدہ کو پسند کر کے اور عوام کے لئے مفید ومناسب حال دیکھ کر اسے عوام میں نافذ کر دے یعنی اسے قانون کا درجہ دے دے تب وہ لوگوں کے لئے واجب الاطاعت ہو گا۔ اور جب تک وہ حکومت قائم ہے وہ واجب الاطاعت رہے گا سوائے اس کے کہ وہ حاکم اس کو منسوخ کر دے ۱۲ مترجم

ہیں ، اور خلفائے راشدین سے لے کر عادل ائمہ (وخلفا وملوک) اور سالارانِ افواجِ
مجاہدین اور قضاۃِ بلادِ مسلمین اور ان کے نائبین و نمائندگان مثلاً محصّلین زکوٰۃ
اور محتسب حضرات تک پھیلی ہوتی ہیں۔ (یعنی یہ اقتدار اوپر سے شروع ہوتا ہے
اور نیچے تک اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں)۔ پس اس کا فرمان عالی شان
یعنی قرآن واضح البیان، اور عالی مرتبت نوشتے اور جلیل القدر اعلانات جو اپنی
قدسی احادیث سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
طرف وحی فرمائے، اور اپنے ان فرامین کے مضامین کی وضاحت کے واسطے
قانون اور قاعدے جو سنت نبوی کے نام سے موسوم ہیں، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے دلِ ہدایت منزل پر الہام و القا فرمائے۔ اور پھر آپ کے مذکورہ
بالا نائبین کی کوششوں سے ان فرامین و قوانین کو تمام اطراف و اکنافِ عالم میں
پھیلا دیا اور عام کر دیا، اور اپنے تمام بندوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اور آپ کے نائبوں کی اطاعت کا جبراً مکلف بنایا۔ یعنی جو کوئی اپنی گردن
اطاعت و فرمانبرداری کے لئے جھکا دے گا وہ دنیا میں مامون و محفوظ رہے گا
(اس کی جان و مال محفوظ رہیں گے)۔ اور آخرت میں نجات یافتہ لوگوں میں شمار
ہوگا۔ اور جو کوئی سرکشی اور نافرمانی کرے گا تو دنیا میں وہ مباح الدم ہوگا
(کہ اس کا قتل جائز ہوگا) اور آخرت میں ملعون و مطرود ہوگا، اور اس کے
سب اعمال باطل اور اس کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اسی بنا پر کافروں
سے جہاد کرنا، باغیوں کو قتل کرنا اور مرتدین سے قتال کرنا، حدود قائم کرنا اور
فاسقوں اور نافرمانوں کو شرعی سزائیں دینا اور اسی طرح کے دیگر تعزیری

قوانین دین کے عمدہ و اعلیٰ ارکان میں شمار کئے گئے ہیں۔

دوسرا کارخانہ دراصل پہلے کارخانہ کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ اور یہ کارخانہ
ایسا ہے جو ربوبیت اور شانِ خداوندی سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی بندوں کے
واسطے ایسے اُمور اور کام مہیا کرنا جو احکام خداوندی کی تعمیل اور سنت نبوی
کا اتباع کرنے کے لئے درکار ہوں۔ اس کارخانہ کا مرکز حکومت ہے، اور اس
کی شاخیں علماء و اولیاء کے منصب اور درجے ہیں مثلاً قرّاء اور محدثین جو
احکام الٰہی اور احادیث نبوی کو تمام امت تک پہنچاتے ہیں، اور شریعت
کے مجتہدین جو قیاسی احکام کو مستنبط کرتے ہیں اور طریقت کے مشائخ
جو کہ وقت کی مصلحتوں کے پیش نظر سنت نبویہ کو جاری کرنے کے واسطے (عمدہ)
تدبیریں نکالتے رہتے ہیں۔ اور ائمۂ لغت اور مفسرین اور ماہرینِ علوم عربیہ جو
محاوروں اور زباندانی کے قوانین و قواعد کے نکات کی وضاحت کرتے ہیں، اور
فقہ کی کتابوں کے مصنفین اور فتووں کی کتب کے جامعین اور سلوک و طریقت
کے رسائل لکھنے والے اور عربی کتابوں کے مؤلفین جنہوں نے مجتہدین کے
احکام اور ان کے مقلدین کی تخریجات اور مشائخ کے ملفوظات اور عربی زبان کے
علماء و ماہرین کے اقوال مرتب کر کے بڑی بڑی کتابوں میں لکھے ہیں۔

پس ان میں سے اول کو خلافت و امامت کا اکمال کہتے ہیں اور دوسرے
کو علم و ولایت کا اکمال کہتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کمالات کا منشأ و مبدأ
بندوں کی تربیت کے لئے عنایتِ الٰہی کی توجہ ہے، اور ان دونوں کمالات کا
مہبط (اُترنے کا مقام) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دل ہیں۔ لیکن ان میں

سے پہلا کمال ایک انتہائی روشن نور ہے جو سلطنتِ خداوندی کے آفتاب سے آئینۂ رسالت پر ضو اُفگن ہوا ہے۔ اور پھر وہاں سے اُس کی شعاعوں نے منعکس ہو کر تمام جہان کو اپنی آغوش میں لے لیا، اور کفر و فساد کی اندھیری رات کو فنا کر کے اسلام کے روشن دن کو اور نظام دارین (دنیا و آخرت) کو جلوہ گر فرمایا۔ اور دوسرا کمال (گویا) آبِ زلال (شیریں پانی) ہے جو ربوبیت کے بادلوں سے برسا، اور انبیاء کی حکمت کے فواروں سے جوش مارتا ہوا خاص لوگوں کے دلوں کے حوضوں میں جمع ہوا، اور آبِ طلب کے پیاسوں کے حلق میں ان پیاسوں کے درجات کے موافق پہنچا۔

پس پہلے مرتبہ کو دوسرے پر فوقیت ضرور دینی چاہیئے۔ اور جو کوشش و اہتمام پہلے کے لئے کرنا چاہیئے وہ دوسرے کے لئے نہیں کرنا چاہیئے، مثلاً افرادِ انسانی میں سے ہر شخص پر، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل خواہ عقلمند ہو یا بے وقوف، خواہ لکھا پڑھا ہو یا ان پڑھ، اس پر لازم ہے کہ کتاب و سُنت کے ظاہر مضامین و احکام معلوم کرے اور ان کی تحقیق کرے، خواہ اپنی فکر و سمجھ سے کرے خواہ کسی اور سے پوچھ کر، اور انبیاء علیہم السلام اور اولو الامر (مسلمان حکمرانوں) کی اطاعت تعیین کے ساتھ اپنے اوپر لازم کر لینا اول روز سے ہی تمام امت پر واجب ہے۔ اور علانیہ طور پر اپنے آپ کو ان سے منسوب کرنا ضروری ہے، اور کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے، بدعتیوں کے ساتھ میل جول رکھنے، اور باغیوں کا ساتھ دینے سے احتراز کرنا دین کے ارکان میں شمار ہوتا ہے۔ نیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کے ظاہر (احکام)

کو (دنیا میں) پھیلانا، خواہ تلوار اور نیزہ سے ہو یا مناظرہ اور تقریر و بیان سے، اور تمام دیہات اور شہروں میں ان کو مشہور و عام کرنا دین کے ارکان میں شمار ہوتا ہے۔ (اسی طرح) ایسے واعظوں کا تقرر جو تمام مجمعوں اور مسجدوں میں منبروں پر (کھڑے ہو کر) باآوازِ بلند لوگوں کو (اسلام کی طرف) بلائیں، اور ایسے محتسبوں کو مقرر کرنا جو ہر کوچہ و بازار میں بجبر و قہر لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچیں، تو یہ سب سے افضل عبادات میں شمار کیا گیا ہے۔ بخلاف قسم ثانی کے کہ ہر شخص کو قیاسی احکام کی تحقیق کرنے کی اور صوفیوں کے اذکار و اشغال اور عربی زبان کے قواعد سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور مشائخ میں سے کسی مخصوص شیخ کا مرید ہونا یا مجتہدین میں سے کسی ایک معین مجتہد کا مقلد ہونا دین کے ارکان میں سے نہیں ہے، بلکہ اسی قدر کافی ہے کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے (ان مجتہدین میں سے) کسی سے بھی (مسئلہ) پوچھ لے، یہ نہیں کہ مرید ہونے کو اور مقلد ہونے کو بھی انبیاء پر ایمان لانے کی طرح دین کا رُکن سمجھے، اور حنفی اور قادری کے لقب کو مسلمان اور سُنّی کے لقب کے مانند ظاہر کرے، اور شافعیوں اور چشتیوں سے اپنے آپ کو اس طرح الگ اور ممتاز قرار دے جیسے کافروں اور رافضیوں سے الگ قرار دیتے ہیں، اور اس کو دین کے لوازم اور ضروریات میں شمار کرے۔ اور نہ یہ کرے کہ ایک (فقہی) مذہب سے دوسرے (فقہی) مذہب اور ایک (صوفی) طریقہ سے دوسرے طریقہ میں منتقل ہونے کو مرتد ہونے اور بدعتی ہونے اور باغی ہونے کی طرح قرار دے کر اُسے قتل کرنے اور بے آبرو کرنے کا (جائز) سبب گردانے، اور نہ یہ

ہونا چاہیئے کہ مجتہد ہونے یا ولی ہونے کے دعوے کو نبوت کے دعوے کی طرح یا امام برحق کے مقابل امامت کے باغیانہ دعوے کی طرح قرار دے کہ اُسے باعثِ قتال واہانت سمجھا جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قاضی کا حکم ماننے پر تو (لوگوں پر) جبر کیا جاتا ہے (کہ وہ اس کو تسلیم کریں) اور اس جبر کا (حکومت کو) حق پہنچتا ہے، لیکن ایک مجتہد کا حکم ماننے پر نہ جبر کیا جاتا ہے اور نہ اس جبر کا (حکومت کو) حق پہنچتا ہے۔ کیونکہ ایک قاضی کے حکم کو رد کرنے کا حق تو (اُسی جیسے) دوسرے قاضی کو بھی نہیں پہنچتا، چہ جائیکہ رعایا کے ایک عام فرد کو یہ حق پہنچے۔ بخلاف مجتہد کے حکم کے، کہ اس کو قبول کرنا ہر شخص پر واجب نہیں ہے، خاص کر اس وقت جب کہ وہ شخص خود بھی مجتہد ہو، کیونکہ اس کو کسی دوسرے مجتہد کی تقلید بالکل جائز نہیں ہے۔ اور امام برحق سے بغاوت کرنا، اگرچہ باغی میں امام (امیر) بننے کی قابلیت ہو، تب بھی جائز نہیں ہے، بخلاف اجتہاد کے کہ اگر اجتہاد کا ملکہ حاصل ہو جائے تو اس کو لازماً اجتہاد کا دعویٰ کر دینا چاہیئے اور تقلید کو اپنی گردن سے دور کر دینا چاہیئے۔

مختصر یہ کہ اس تمام گفتگو سے ہماری غرض یہ ہے کہ کتاب وسنت کے ظاہر (احکام ومعانی) کی تحقیق وتفتیش اور ان کی تحصیل اور تعلیم وتدریس میں مشغول ہونا (خواہ ان کو پڑھ کر ہو یا ان کے مضامین سن کر ہو) اور ان کو پھیلانے اور شائع کرنے میں کوشش کرنا بالکل ایسا (ضروری) ہے جیسے کھانا کھانا، پانی پینا اور کپڑا پہننا، کیونکہ ان پر زندگی کا مدار ہے۔

اس کے برعکس فقہ کے معتبر احکام (معلوم کرنے) میں مشغول ہونا اور صوفیہ کے مفید اشغال ووظائف میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسے دوا دارو اور علاج معالجہ کرانا کہ جب ضرورت پڑے تو حاجت کے موافق عمل میں لائیں اور اس کے بعد اصل کام میں لگ جائیں۔ اور اپنا طور طریقہ خالص محمدی رکھنا چاہیئے اور قدیم سنت نبوی پر گامزن رہنا چاہیئے، اور کسی مخصوص (فقہی) مذہب ومسلک پر چلنے یا کسی مخصوص (صوفیانہ) طریقہ میں داخل ہونے کو ضروری نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ ان (فقہی) مذاہب اور (صوفی) طریقوں کو عطار اور پنساری کی دوکانوں کی طرح سمجھنا چاہیئے (کہ جب کسی چیز کی ضرورت پڑے تو ان میں سے کسی بھی دکان سے جا کر لے لی جائے)۔ اور اپنے آپ کو صرف محمدی فوج کا سپاہی سمجھنا چاہیئے۔ پس جس طرح سپاہیوں کا شعار ولباس تو فن سپاہگری ہے اور ان کا کام (اپنے) سلطان وبادشاہ کا نام بلند کرنا اور اس کا بول بالا کرنا ہوتا ہے، لیکن جب ان کو کسی دوا کی ضرورت پڑتی ہے تو جس دکان سے وہ دوا دستیاب ہوتی ہے جا کر لے لیتے ہیں۔ اور اس کو بقدر حاجت استعمال کر کے باقی دوا آئندہ ضرورت کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں، اور اپنے (اصل کام) کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ بالکل اسی طرح (ہمیں بھی) خالص محمدی طریقہ کو اپنا شعار بنانا چاہیئے۔ اور ظاہر سنت کے قائم ورائج کرنے کو اپنا اصل کام قرار دینا چاہیئے۔ اور فقہ کے صحیح احکام کو اور صوفیہ کے ایسے اوراد واشغال کو جو فساد وبدعت کی آمیزش سے پاک ہوں، بقدر حاجت عمل میں لانا چاہیئے، اور ضرورت سے زیادہ ان میں مشغول نہیں ہونا چاہیئے۔

حاصل کلام یہ کہ وہ فقہی احکام جو اگلے زمانہ کے مسلمہ مجتہدوں نے صحیح قیاس کے ذریعہ استنباط کئے ہیں وہ بے شک سنت کی قسم سے ہیں، لیکن سنتِ حکمیہ کی قسم سے جو کہ سنتِ حقیقی کے مقابلہ میں جَو کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ پس اس میں افراط اور غلو کرنا بدعت کی قسم ہے۔

تیسرا مسئلہ

امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیمات) کے اجماعی مسئلے، خواہ کسی زمانہ میں بھی ظاہر ہوں، سب مطلق سنت کی قسم سے ہیں، کیونکہ ان مسئلوں کی سند دراصل سنت حقیقی ہے یا سنت حقیقی سے ملحق ہے یا سنت حکمیہ ہے۔ اور وہ بھی مطلق سنت کی ایک قسم ہے۔

اجماع اور رواج میں فرق لیکن یہاں ایک بہت باریک نکتہ ہے جس کی وضاحت اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر بہت ضروری ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اجماع اور رواج کے مابین جو فرق ہے اس کا علم ہونا چاہیے۔

اس نکتہ کی وضاحت ہم یوں کرتے ہیں کہ بعض اوقات علوم واورادات اور افعال واقوال کی قسم سے کچھ نئی نئی باتیں مصلحتِ وقت کی بنا پر اہل زمانہ میں عادت کے طور پر رواج پا جاتی ہیں، پھر ان کے بعد ان کی اولاد ان باتوں کو اپنے بزرگوں سے رسم ورواج کے طور پر قبول کر لیتی ہے۔ پھر اسی طرح اس پر مدت دراز گزر جاتی ہے۔ بالآخر ان نئی باتوں کو اختیار کئے ہوئے جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر جاتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ باتیں ان کے خواص وعوام میں مسلّمہ اور مقبول رسموں میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اگر کوئی ان رسوم کو چھوڑتا ہے تو وہ اپنے برادری والوں اور ہمسروں و ہمعصروں کی ملامت اور طعن وتشنیع

کا نشانہ بنتا ہے۔ پس تمام لوگ اس ملامت، اور طعنہ زنی کے خوف سے اس رسم کو قائم رکھنے اور اس کی پابندی کرنے کی خوب کوشش کرتے ہیں۔ پھر ایک مدت دراز گزر جانے کے بعد اس رسم کی اصلیت شریعت میں معلوم کرنے کے لئے تحقیق کی جاتی ہے تو اس مذکورہ بالا رواج کے سوا شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ اور جب اُس رواج کے منشا و مقصد کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ بعض بزرگوں نے اس (طریقہ) کو اچھا سمجھا تھا۔ حالانکہ صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ زمانہ اور حالات بدل جانے کی وجہ سے اُس امر کی بابت شریعت کا حکم بدل جاتا ہے۔ یعنی چونکہ اسلاف اور بزرگوں کے زمانہ میں یہ امر یا طریقہ رواج کے درجہ پر نہیں پہنچا تھا اور نہ اس کا اتنا التزام تھا (کہ ہر شخص کو اس پر چلنا اور اس کا پابند ہونا لازم ہو)، لیکن اب بعد کی نسلوں میں چونکہ اس کا التزام اور اس کی شہرت بہت ہو گئی (اور اس کا پابند ہونا ضرور سمجھا جانے لگا) لہٰذا یہ امر بدعتِ حقیقی یا بدعتِ حکمی کی حد تک پہنچ گیا۔ ادھر ہم اسی معنی اور اسی کیفیت کو رواج کہتے ہیں[1]۔

---

[1] کسی قوم میں ایک کام کیسے رسم و رواج کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے کہ اس کی خلاف ورزی لوگ بُرا بلکہ گناہ سمجھنے لگتے ہیں، اس تاریخی عمل کو سمجھانے کے لئے مصنفؒ کے بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک عمدہ مثال تاریخ سے پیش کی ہے وہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام ایک بار سخت بیمار ہوئے، آخر انہوں (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ) نے اپنے دل میں یہ نذر یا منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے تندرست کر دیا تو میں اپنے اوپر سب چیزوں سے زیادہ مرغوب کھانے اور پینے کی چیز حرام کر لوں گا۔ یعنی ان کو نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ جب وہ تندرست ہوئے تو (اپنی سب سے مرغوب اشیاء یعنی) اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا۔ (اب چونکہ یعقوب علیہ السلام پیغمبر خدا اور اپنے قبیلہ کے بزرگ تھے) لہٰذا ان کی پیروی (اور ان کے احترام) میں ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو کھانا پینا چھوڑ دیا (یعنی ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا)۔ پھر ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی کی۔ جب ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کئے ہوئے مدتیں گزر گئیں اور کئی نسلوں میں یہ حرمت جاری رہی تو یہود کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر کسی نے ان چیزوں کو کھا کر انبیاء کی مخالفت کی تو اس نے ان کی شان میں بے ادبی کی (اور گناہ کا مرتکب ہوا)۔ لہٰذا توریت میں بھی ان چیزوں کی حرمت نازل ہو گئی۔ (کیونکہ ہر نئی شریعت میں نبی کی قوم کے ایسے عقائد و نظریات اور رسوم و رواج کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو نیکی کے بنیادی اصولوں کے منافی نہ ہوں)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیان فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ تو اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کا دودھ پیتے ہیں، آپؐ کیسے ملتِ ابراہیمؑ پر ہو سکتے ہیں۔ (گویا اتنا زمانہ گزر جانے کے بعد اس دور کے یہودی یہ سمجھنے لگے کہ اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت حضرت یعقوب علیہ السلام سے شروع نہیں ہوئی بلکہ یہ ان سے بہت پہلے حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے جاری ہے)۔ ان کے اسی قول کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ	بنی اسرائیل کے لئے سب کھانے حلال
إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآئِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ مِن قَبْلِ	تھے البتہ توریت نازل ہونے سے پہلے
أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَىٰةُ قُلْ فَأْتُوا۟ بِالتَّوْرَىٰةِ	جو اسرائیلؑ (یعقوبؑ) نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نیا امر یا نئی بات سامنے آجاتی ہے، اور اس زمانہ کے لوگ (اور علماء عصر) دلائل شرعیہ میں اس کی اصل تلاش کرنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ (آل عمران : ۹۳)

اپنے اوپر حرام کر لئے تھے وہ حلال نہیں تھے (اے محمدؐ! ان سے کہو) کہ اگر تم سچے ہو تو توریت لاکر پڑھو۔"

گویا خداوند تعالیٰ نے ان کے قول کو اس طرح رد فرمایا کہ اصل میں سب کھانے حلال تھے (اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے حلال تھے)۔ لیکن اونٹ، ایک عارضی سبب سے، جو یہودیوں کو لاحق ہو گیا تھا (حضرت یعقوبؑ کے زمانہ سے یا ان کی بیماری کے بعد سے) حرام ہو گئے تھے۔ اور جب نبوت اولاد اسمٰعیلؑ میں ظاہر ہوئی اور اس عارضی امر سے وہ بچے ہوئے ہیں تو اس کی رعایت ان پر واجب نہیں رہی (اور اب نئی شریعت (محمدیہ) نے اونٹ کے گوشت اور دودھ کے بارے میں اس حکم کو برقرار رکھا جو نزولِ توریت اور حضرت یعقوبؑ سے پہلے تھا۔ اب اگر کوئی اونٹ کے گوشت اور دودھ کو اپنے اوپر حرام کرتا ہے تو وہ محض اپنے آبائی رسم ورواج کا پابند کہلائے گا، شریعت کا متبع نہیں کہلائے گا۔)

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز تراویح کے التزام اور اس کو رواج دینے سے منع فرمایا تھا، اور فرمایا تھا کہ "اس کو جدا جدا اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو"۔ مقصد یہ تھا کہ اس پر مداومت کرنے سے کہیں یہ دین کا شعار نہ بن جائے کہ لوگ اس کے ترک کو خدا کی شان میں تقصیر کا اعتقاد کرنے لگیں، اور پھر یہی بات اس کے فرض ہونے کا باعث بن جائے۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۸۶) ۱۲ مترجم

میں لگ جاتے ہیں۔ اور شریعت کے علوم میں غور کرتے ہیں تاکہ اس بات کا شرعی حکم معلوم کریں۔ بالآخر وہ کافی غور وخوض کے بعد دلائل شرعیہ سے اس امر کی بابت شرعی حکم کی دلیل تلاش کر لیتے ہیں۔ اور (وہ حکم) اس زمانہ کے سب لوگوں پر واضح اور روشن ہو جاتا ہے۔ اس امر کی بابت حکم شرعی کی دلیل واضح اور ثابت ہو جانے کی بنا پر اس زمانہ کے سب مجتہدین اس پر اتفاق کر لیتے ہیں۔ (علماء کے) اسی اتفاقِ (رائے) کو ہم اجماع کہتے ہیں۔

جب یہ مقدمہ بیان ہو گیا تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد کسی چیز کا محض رواج پا جانا اس چیز کو بدعت کے زمرہ سے خارج نہیں کرتا، بخلاف اجماع کے، کیونکہ اجماع کا منعقد ہونا، خواہ وہ کسی زمانہ میں بھی ہو، اجماعی مسئلہ کو سنت کے دائرہ میں داخل کر دیتا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اجماع کے (شرعی دلیل ہونے کے) بارے میں یہ آیت بطور سند پیش کی جاتی ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۔ (النساء : ۱۱۵)

اور جو کوئی اپنے سامنے ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی خلاف ورزی کریگا اور مومنین کے راستہ کے برخلاف چلے گا تو ہم اس کو اسی طرف موڑ دیں گے جس طرف اس نے رخ کیا ہے، اور اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اس مذکورہ بالا آیت میں سبیل (راستہ) کی اضافت مومنین کی طرف کی گئی ہے۔ اور لفظ مومنین مشتق ہے اور یہ ایک مقررہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کو مشتق سے نسبت واضافت دی جائے تو یہ اس کے مصدری معنی کے

سبب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً حکمِ بادشاہ اور حکمِ قاضی، اسی حکم کو کہتے ہیں جو کہ سلطنت وحکومت کی طرف سے جاری ہو، اس کو نہیں کہتے جو مشورہ کی جہت سے ہو اور شہزادوں کی راہ اور امراء کی راہ سپاہیوں کی راہ اور علماء کی راہ اور مشائخ واطباء کی راہ صرف ان امور کو کہتے ہیں جو کہ ان مذکورہ بالا اشخاص نے ان امور کو شہزادگی اور امارت، اور سپہ گری اور علم ومشیخت اور طبابت کی وجہ سے اختیار کیا ہو یا انجام دیا ہو۔ ان کے ایسے کاموں کو ان کی راہ نہیں کہیں گے جیسے کھانا، پینا، جماع کرنا، سونا، بول وبراز کرنا اور اسی طرح کی دیگر انسانی حاجات پوری کرنا کہ ان کو مذکورہ بالا اشخاص کی راہ نہیں کہتے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ اسی پر دلالت کرتی ہے:

اُدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ (یوسف: ۱۰۸)

میں اللہ کی طرف علی وجہ البصیرۃ بلاتا ہوں، میں بھی اور وہ بھی جس نے میری اتباع کی۔

اس لئے کہ یہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ سے تبلیغی امور مراد ہیں۔ چنانچہ لفظ اُدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اس پر دلالت کرتا ہے۔

جب یہ مقدمہ بھی بیان ہو گیا تو اب جاننا چاہئے کہ مذکورہ بالا آیت میں مومنوں کی راہ سے مراد وہ کام ہیں جن کو مسلمانوں نے "ایمان" "واسلام" کی وجہ سے اختیار کیا ہے، نہ کہ رسم وعادت (رواج) کی وجہ سے، اور یہ کہ وہ سب اجماعی مسئلے ہیں نہ کہ مروجہ رسوم چنانچہ یہ حدیث اسی (مفہوم) پر دلالت کرتی ہے:

مَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔ (مسند احمد: ج ۱)

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے

اس لئے کہ آپؐ نے (یہاں) مَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ (جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں) فرمایا ہے، مَاتَعَامَلَ بِهِ الْمُسْلِمُوْنَ (جس پر مسلمان عمل کریں، جس پر مسلمانوں کا تعامل ہو) نہیں فرمایا تو اس حدیث کے معنی اس طرح ہوں گے کہ جس چیز کو مسلمان اسلام کی جہت سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور آپ کے احکام کے اتباع کی جہت سے اچھا سمجھیں نہ کہ رسم وعادت کی جہت سے، تو وہ چیز خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی اور پسندیدہ ہو گی۔ رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی ہر رسم خواہ وہ (قرون ثلثہ کے) بعد کے کسی زمانہ میں بھی رائج ہو گئی ہو، سنت میں داخل ہے تو یہ بالکل غلط اور باطل محض ہے۔

چنانچہ یہ حدیث جس کو امام ترمذی نے حضرت عمرو بن عوفؓ سے روایت کیا ہے اسی معنی پر دلالت کرتی ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ بَدَءَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَآ اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِىْ مِنْ سُنَّتِىْ۔ (ترمذی)

بے شک اس دین (اسلام) کی ابتدا ایک پردیسی کی طرح ہوئی ہے۔ اور یہ پھر ویسا ہی ہو جائے گا جیسے ابتدا میں تھا (یعنی پردیسی)۔ تو پردیسیوں کے لئے خوشی وخوشخبری ہے، اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو میری سنت کی اصلاح کریں گے جس کو میرے بعد لوگوں نے بگاڑ دیا ہو گا۔

اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ (قرون ثلاثہ کے) بعد کے زمانوں کی رسمیں سنت کو بگاڑنے کا سبب ہیں، (سنت میں انہی سے بگاڑ پیدا ہو گا) اور ان رسموں کو مٹانا سنت کی اصلاح کا باعث ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ہر زمانہ کے اجماعی مسائل سنت کی قسم سے ہیں، اور (قرون ثلاثہ کے) بعد کے زمانوں میں رائج ہونے والی رسمیں بدعت کی قسم سے ہیں۔

چوتھا مسئلہ

علومِ آلیہ میں مشغول ہونا (یعنی وہ علوم جو بمنزلہ آلہ اور وسیلہ کے ہیں ان کے سیکھنے میں لگنا) جیسے بقدرِ ضرورت علوم عربیہ (صرف ونحو وغیرہ) سیکھنا جو کتاب وسنت کے ظاہر معنی سمجھنے میں کام آئیں۔ اور اسی طرح صوفیہ کے اشغال واذکار میں بقدرِ ضرورت مشغول ہونا مثلاً لطائف ستہ (چھ لطیفوں) کو ذکرِ خفی سے حرکت میں لانا، یا مثلاً یادداشت جس کو پاسِ انفاس بھی کہتے ہیں، اور اپنا دھیان ہمیشہ دل کی طرف رکھنا جو احسان کی حقیقت حاصل کرنے میں مفید ہے، اور یہ احسان ظاہر کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اسی طرح جنگی ہتھیار مثلاً توپ، بندوق اور تمنچہ (پستول) وغیرہ کی مشق بقدرِ ضرورت کرنا جو کفار سے جنگ کرنے میں کام آئے۔ یہ سب بدعت کی قسم سے نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں اگرچہ مخترعات ومحدثات (نئی نکالی ہوئی اور ایجاد کردہ) ہیں (جو پہلے نہیں تھیں) لیکن یہ دینی امور کی قسم سے نہیں ہیں (اور چونکہ یہ دین کے اجزا اور اس کے ارکان میں شمار نہیں ہیں لہٰذا بدعت بھی نہیں ہیں)۔ پس اگر کوئی ان کو دینی امور سمجھ کر عمل میں لائے گا تو اس کے حق میں یہ ضرور بدعات کی قسم سے ہو جائیں گے۔ (واضح رہے کہ) ان کو دینی امر سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ کاموں کو جہاد کا ایک وسیلہ اور

ذریعہ سمجھنے کی بجائے خود ان کو ہی دین کے قابلِ تعریف کام قرار دے دیں۔
اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دینی امور کے وسیلے اور ذریعہ دو قسم کے ہیں۔

ایک قسم کے وہ ہیں جو خود بھی شرعی خوبیاں اور دین کے قابلِ تعریف کام ہیں۔ جیسے طہارت اور پاکیزگی کی صفت وضو اور غسل سے حاصل کرنا اگرچہ نماز کے وسیلوں اور شرطوں میں سے ہے، لیکن یہ خود بھی ایسے کام ہیں جن کی شریعت میں تعریف آئی ہے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاکیزہ رہنے والوں کو (بھی) پسند کرتا ہے۔
(البقرہ : ۲۲۲)

اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:
اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ ۔ طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے۔
(مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ)

اسی طرح تلاوتِ قرآن مجید اگرچہ غور و فکر اور تدبر کا ذریعہ ہے لیکن وہ (تلاوت) خود بھی ایک بڑی عبادت ہے۔ اور حدیث اور سیرت نبوی کے مطالعہ میں مصروف ہونا اگرچہ عمل اور اتباعِ سنت کا ایک وسیلہ ہے لیکن وہ بذاتِ خود بھی شریعت کا ایک قابلِ تعریف کام ہے۔ اسی طرح اعتکاف اگرچہ جماعت پانے اور ذکرِ الٰہی سے اپنے اوقات کو معمور رکھنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے لیکن وہ خود بھی اطاعت کی ایک قسم ہے۔

الغرض اس قسم کے بے شمار کام ہیں (جو خود بھی عبادت ہیں اور عبادت کا وسیلہ اور ذریعہ بھی)۔ اور اس قسم کے کاموں کی علامت اور پہچان یہ ہے کہ اس قسم کے وسیلوں اور ذریعوں کو اگر بغیر کسی مقصد کے بھی حاصل کیا جائے اور ان کو عمل میں لایا جائے تو وہ شارع کی نظر میں بیکارِ محض یا باطل نہیں ہوں گے۔ یعنی اگر ایسے کام کرنے والے کی نیت و ارادہ بس یہی وسیلہ ہو اور اس کے ذریعہ اصل مقصد حاصل کرنے کو پیش نظر نہ رکھا ہو تب بھی اس کو کچھ نہ کچھ فائدہ (اگرچہ بہت تھوڑا ہی ہو) ضرور حاصل ہوگا۔ مثلاً نیا وضو اور غسل کرنا اس نیت سے کہ ہمیشہ پاک صاف رہا جائے، اگرچہ اس وقت نماز پڑھنے کی نیت نہ ہو، پھر بھی وہ شریعت کے عمدہ کاموں میں سے ہے اور آخرت کے اجر حاصل کرنے کا باعث ہے۔

دوسری قسم کے وسیلے وہ ہیں جو خود تو عبادت کی جنس سے بالکل نہیں ہیں، لیکن اگر وہ کسی عبادت کا وسیلہ بنانے کی نیت سے سرانجام دیئے جائیں تو وہ بالعرض (عارضی طور پر) طاعت و عبادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جیسے حج کی غرض سے سفر کرنا، مسجد میں جانے کی نیت سے بازار میں جانا، وضو کرنے کی نیت سے کنویں میں سے (پانی کا) ڈول کھینچنا، اور حاجتمندوں کے واسطے حاکموں کو سفارشی خط یا درخواست لکھنا۔ اور اسی طرح تمام پیشے اور دستکاریاں کرنا تاکہ ان کی آمدنی کو دین کی امداد یا محتاجوں کی خدمت و معاونت میں خرچ کیا جائے۔ تو یہ شہروں اور ملکوں کی سیر و سیاحت، اور بازاروں میں چلنا پھرنا، اور کنوؤں سے پانی کھینچنا اور خط و درخواستیں لکھنے پڑھنے

کی مہارت حاصل کرنا، اور اسی طرح تمام پیشے اور دستکاریاں مثلاً لوہاری، رنگریزی، اور سلائی اور درزی گری وغیرہ بذات خود عبادات نہیں ہیں، بلکہ یا تو کھیل کود اور لہو ولعب میں داخل ہیں یا (حصولِ) معاش کے کام ہیں، یعنی ان میں بہت کوشش کرنا یا ان میں حد سے زیادہ منہمک ہو جانا دلوں کو سخت کر دیتا ہے اور روح کو غافل بنا دیتا ہے اور عالم قدس سے نفرت پیدا کرتا ہے۔ پس یہ مذکورہ بالا کام دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں، پہلی قسم سے نہیں۔ پس جو کوئی ان کو پہلی قسم میں شمار کرے گا تو یہ کام اس کے حق میں بدعتِ اصلی وحقیقی بن جائیں گے۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ وسائل وذرائع کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم کے وسائل وہ ہیں کہ اگر ان سے مدد لی جائے تو مقاصد کی (اچھے طور پر) تکمیل ہوتی ہے۔ یعنی مذکورہ مقاصد اگر ان وسائل کے ذریعہ حاصل کئے جائیں تو شارع کی نظر میں ایسا حسن وکمال پیدا کر لیتے ہیں کہ بغیر ان وسائل کے استعمال کئے ان میں وہ خوبی پیدا نہیں ہوتی، جیسے نماز جمعہ اور نماز عیدین کے لئے نہانا، نئے کپڑے پہننا اور عطر لگانا۔ اور (اذان دینے کے لئے) اونچی جگہ چڑھنا اور جماعت کے لئے اذان اور اقامت کہنا اور مسجد کا تعین کرنا، اور نماز کے لئے جماعت کرنا اور جماعت میں شامل ہونا اور صفیں سیدھی کر کے درست کرنا، اور ذکرِ الٰہی کرنے اور قرآن مجید پڑھنے کے لئے وضو کرنا، اور تلاوت کے وقت اچھی آواز پیدا کرنا، اور تدبر (در قرآن) کے لئے تلاوت کرنا، اور جہاد کے لئے ایک امام کا تقرر کرنا اور اس کی اطاعت کرنا۔

اسی طرح کے اور بے شمار کام ہیں جن کا مقصد اصل عبادات کی تکمیل ہے، اور اُن (وسائل) کے نہ ہونے سے شارع کی نظر میں اصل عبادات کے حُسن و کمال میں کمی آجاتی ہے۔

دوسری قسم کے وسائل وہ ہیں جن کا استعمال اس بنا پر ہوتا ہے کہ فاعل (اپنی کسی ذاتی وجہ سے) ان کا محتاج ہوتا ہے، یا وہ (عبادت کے) اصل مقصد کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، یا اس میں مقصد کو سمجھنے کی قابلیت نہیں ہوتی۔ اور اگر مقصد بغیر کسی وسیلہ یا ذریعہ کو استعمال کئے حاصل ہو جائے تو یہ بات مقصد کے حسن وکمال میں کمی کا باعث نہیں بنتی، اور نہ اس سے فاعل کے درجہ اور مرتبہ میں کمی ہوتی ہے، یعنی جو شخص اس عبادت کو بغیر کسی قسم کا وسیلہ یا ذریعہ استعمال کئے انجام دیتا ہے اس کا مرتبہ یا درجہ کسی طرح بھی اس شخص سے کم نہیں ہوتا جو ان وسیلوں اور ذریعوں کو اس عبادت کی انجام دہی میں استعمال کرتا ہے۔ جیسے وضو کرنے کے لئے کنویں سے پانی کھینچنا، تو جس شخص نے دریا کے کنارہ پر بیٹھ کر (اس کے چلتے ہوئے پانی سے) وضو کر لیا تو اس کی پاکیزگی اور طہارت کسی طرح بھی اس شخص کی پاکیزگی اور طہارت سے کم نہیں ہوگی جس نے کنویں سے پانی کھینچ کر وضو کیا۔ اسی قبیل سے کمزور نظر والے کے لئے چشمہ لگانے کا مسئلہ ہے۔ اور ایسا ہی معاملہ اس کا ہے جو ان پڑھ (یا عربی زبان سے نابلد) ہو اور اس وجہ سے اعراب والا (زیر وزبر والا) قرآن مجید تلاش کرے، اور بچوں کو حروفِ تہجی سکھانا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ اور یہی مسئلہ ان ہتھیاروں کے استعمال کا

ہے جو لڑائی میں دور سے کام آئیں جیسے تیر و تفنگ، منجنیق (راکٹ وغیرہ)، توپ، بندوق اور ان جیسے دوسرے ہتھیار جو دور بیٹھے ہوئے دشمن کے خلاف استعمال ہوتے ہیں۔

اس قسم کے وسائل کی نشانی اور پہچان یہ ہے کہ جب مقصد کسی نہ کسی طرح حاصل ہو جائے (اور عبادت پوری ہو جائے) تو پھر ان وسائل کو استعمال کرنا بیکار اور لغو سمجھا جاتا ہے۔ یا اس مقصد کو حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ سامنے آجائے تو پھر اس مقصد کو حاصل کرنے میں (اور عبادت کو انجام دینے میں) تاخیر کرنا اور اس کے وہی وسائل (جو پہلے سے سوچ رکھے ہیں) حاصل ہونے کا انتظار کرنا حماقت اور بے وقوفی شمار ہوگا۔ اسی طرح مقاصد حاصل کرنے پر جب کسی کی تعریف کی جائے تو ایسے موقع پر اُن وسائل کا ذکر کرنا جن کی مدد سے وہ مقاصد حاصل کیے گئے ایک گونہ حماقت ہے؛ اور یہ بھی نادانی ہوگی اگر محض وسائل کے استعمال کی بنا پر ایک شخص (کے کام) کو دوسرے پر فضیلت دی جائے۔ مثلاً ایک شخص کو قرآن مجید کی قراءت میں مہارت حاصل ہو (خواہ اس نے یہ مہارت ہجے کرکے حاصل کی یا بغیر ہجے کرکے)، تو اب اگر وہ (ماہر قراءت ہونے کے بعد بھی) قرآن مجید کو ہجے کرکے پڑھتا ہے تو یہ لغو ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان جہاد کی صف میں شمشیر ہندی کمر میں لگائے کھڑا ہو، اور اس وقت کوئی کافر اس کے اتنے قریب آجائے کہ اس کی تلوار کی زد میں ہو تو ایسے وقت اس کو قتل کرنے میں اس لئے تاخیر اور توقف کرنا کہ تیر یا بندوق ہاتھ آجائے یا اصفہانی تلوار مل جائے، تو یہ بالکل نادانی اور

بے وقوفی کی بات ہے۔

اسی طرح کی مثال یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمرو دونوں نے قرآن مجید کی تلاوت مصحف میں دیکھ کر کی۔ لیکن عمرو نے اپنی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے عینک لگائی، تو عمرو کی تلاوتِ کلام پاک کی مدح و تعریف کرتے وقت اس کے عینک لگانے کا ذکر کرنا سراسر بے وقوفی ہے، مثلاً کوئی یوں کہے کہ سبحان اللہ! عمرو کتنے ادب سے قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے کہ نیا وضو کرکے مسجد میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ بیٹھ کر قرآن مجید کھول کر اور عینک لگا کر پڑھتا ہے۔ یا اس طرح بیان کرے کہ زید اور عمرو اگرچہ تلاوتِ قرآن کی مہارت میں، اس کے حروف کو تجوید سے ادا کرنے میں، اور خشوع و خضوع میں، نیز اس میں غور و خوض اور حُسنِ آواز میں برابر ہیں لیکن عمرو تلاوت میں زید سے افضل اور بہتر ہے کیونکہ وہ عینک لگا کر تلاوت کرتا ہے۔ یا یوں کہنا کہ عمرو (تلاوت میں اس لئے افضل ہے کہ وہ) اعراب والے قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھتا ہے۔ (تو یہ محض بے وقوفی و نادانی ہے)۔

جب یہ مقدمہ بیان ہو چکا تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ مذکورہ بالا کام یعنی علوم آلیہ (جو بطور آلہ اور وسیلہ کے کام آتے ہیں) اور صوفیہ کے اشغال و اذکار، اور نئے ایجاد کردہ ہتھیار یہ سب قسم دوم سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ ان وسیلوں کو استعمال کرنے کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ اس زمانہ کے لوگ ان وسائل کے بغیر اصل مقاصد حاصل کرنے سے عاجز ہیں (لہٰذا ان مقاصد کے حصول کے لئے ان وسائل کے محتاج ہیں)۔ یہ امور

قسم اول سے تعلق نہیں رکھتے کہ ان سے قرآنی علم کی تکمیل ہوتی ہو، یا مقامات احسان کا ان سے اتمام ہوتا ہو، یا یہ جہاد کے مستحب کام ہوں۔

پس اگر کوئی ان مذکورہ امور کو قسم اول میں شمار کرے اور نیک علماء اور مجاہدین کے مناقب و فضائل بیان کرتے وقت ان امور کا ذکر کرے اور ان امور کی بنیاد پر ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے اور امت کا زیادہ حقدار ثابت کرنے کے لئے ان امور و علوم کا ذکر کرے، تو یہ سب امور اس کے حق میں بدعت حقیقی کی قسم سے ہو جائیں گے۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جنگ کے ہتھیار اور اسلحہ کی مشق کرنا دیگر تمام وسائل سے زیادہ اہم ہے، اور ان کو رواج اور شہرت دینا دیگر وسائل کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ وہ جہاد کے وسائل اور ذرائع میں سے ہے۔ اور جہاد کی بنیاد (ان ہتھیاروں کے) رواج اور شہرت پر ہی ہے۔ اس کے بعد علوم آلیہ ہیں۔ رہے اشغالِ صوفیہ تو وہ چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کے لائق ہیں، کیونکہ انہی اشغال کے بارے میں کہاوت چلی آرہی ہے کہ "دست بکار و دل بایار" (ہاتھ کام میں اور دل یادِ یار میں)، اور "خلوت در انجمن" (محفل میں ہوتے ہوئے بھی تنہائی میں)۔ لہٰذا ان (اشغال و اذکارِ صوفیہ) کے لئے خانقاہیں بنانا اور ان کے لئے لوگوں کو جمع کرنا اور بلانا کوئی اچھا اور قابلِ تعریف کام نہیں ہے، یہ دینی امور کے حفظِ مراتب سے بعید ہے، بلکہ کرنا یہ چاہئے کہ کتاب و سنت کی تلقین و تدریس کے دوران ہی احسان (تصوف) کے مقاصد کے اصول دل میں ڈالے جائیں اور طالبین کو طریقہ ہائے صوفیہ کے

اشغال استقلال کی نظر و لحاظ کے بغیر، اور کسی خاص وضع کو (اپنے اوپر) لازم کئے بغیر، اور کسی ایک طریقہ کو دیگر طریقوں سے ممتاز کئے بغیر اور اس مخصوص طریقہ کی طرف دعوت دیئے بغیر سکھانے چاہئیں، تاکہ اپنے دنیوی اور اخروی کاموں میں مشغول ہونے کے ساتھ ساتھ ان (اشغال) کی بھی مشق کر لیا کریں۔ پس اگر کوئی ان مذکورہ مراتب کی حفاظت و رعایت نہیں کرے گا تو یہ مذکورہ بالا امور اس کے حق میں "بدعت وصفیہ" کی قسم سے ہو جائیں گے۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اس بات کا اعتقاد و یقین کر لینا کہ فلاں چیز اصولِ مقاصد میں سے ہے یا اس کے متممات (اتمام کرنے والی چیزوں) میں سے ہے یا اس کے ضروری وسائل میں سے ہے، یہ اگرچہ ایک پوشیدہ امر ہے اور ہر ایک چیز کے سنت یا بدعت ہونے کا مدار اسی پر ہے لیکن بعض ظاہر معاملات بھی اس باب میں اعتقاد کے ضمن میں آتے ہیں۔ مثلاً علوم آلیہ کا علوم شرعیہ میں شمار کیا جانا، اور ان علوم آلیہ کی بنا پر (کسی کی) تعریف ہونا، ان علوم کے ماہر کا اس بنا پر خوش ہونا کہ وہ ان علماء کے زُمرہ میں شامل ہو گیا جن کی تعریف کتاب و سنت میں کی گئی ہے۔ یا کسی دوسرے شخص کا اس کو ان علماء کے زمرہ میں داخل ہونے کی خوشخبری دینا، اور اس کی وہ عزت و توقیر کرنا جو علمائے (دین) کی ہوتی ہے، اور جو ان (علوم آلیہ) سے بے بہرہ ہو اس کی تحقیر و بے قدری کرنا، اگرچہ اس نے علماء (دین) سے سن کر یا قرآن و حدیث کا ترجمہ پڑھ کر (بغیر علوم آلیہ یعنی صرف و نحو کے) دینی احکام کا علم حاصل کر لیا ہو۔ مثلاً کوئی شخص زید نامی علوم آلیہ (صرف

ونحو وغیرہ میں پوری مہارت رکھتا ہو، لیکن دینی احکام کا کوئی علم نہ رکھتا ہو، اس کے برعکس دوسرا شخص عمرو نامی مذکورہ بالا طریقہ سے (یعنی بغیر علوم آلیہ اور صرف ونحو کے، صرف علماء سے سن کر یا قرآن وحدیث کے تراجم پڑھ کر) دینی احکام کا اچھا علم رکھتا ہو، لیکن علوم آلیہ سے ناواقف ہو، تو زید کو علماء میں شمار کرنا اور عمرو کو جہلاء میں گردانا یعنی عزت وتوقیر کے موقع پر، یا فتوے اور امر بالمعروف کے موقع پر کلام کے معتبر ہونے میں، یا نماز میں امام بنانے کے موقع پر یا اگر زید دینی احکام کے سلسلہ میں منعقد ہونے والے مناظرہ میں زبان کھولتا ہے یا گفتگو کرتا ہے تو اس کو یہ سمجھا جائے کہ وہ ادب وآداب سکھا رہا ہے، اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی دینی احکام پر عمرو گفتگو کرے تو اس کو بے ادبی اور گستاخی شمار کیا جاتے۔ تو ان مذکورہ امور کے معاملات کی مثالوں کو "بدعتِ حکمیہ" میں شمار کرتے ہیں۔ اسی پر صوفیہ کے اشغال کو قیاس کرنا چاہئے بلکہ وہ ان سے بھی کئی درجے زیادہ ہیں ؛

پانچواں مسئلہ

علم طب، علم حساب اور علم ہندسہ (جیومیٹری یا انجینیری) کے حصول میں مشغول ہونا، اور کسی قدر خالص ومجرد علم ہئیت کے مسائل میں اور علم منطق کے ایسے مسائل میں جو امور عامہ کی آمیزش سے پاک ہوں مشغول ہونا، اسی طرح تھوڑا سا فارسی نظم ونثر اور علم تاریخ (کے حصول) میں اتنا مشغول ہونا جو (دنیا کے) معاشی امور میں کام آئے، اور اسی طرح (مختلف) صنعت وحرفت، دستکاری اور دیگر پیشے سیکھنا، اور نئے نئے کھانے ایجاد کرنا اور نئی تراش خراش کے لباس بنانا اور نئی قسم کے آئینے بنانا اور جدید طرز کے ہتھیار اور اسلحہ ایجاد وتیار کرنا، اور اسی طرح کے دیگر معاشی امور اور دنیوی کام جو اپنی اصل کے اعتبار سے بدعت کی قسم سے نہیں ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض چیزیں نو ایجاد کردہ ہوں اور نئی نکالی ہوئی ہوں، لیکن ان کو نہ کوئی دینی امور میں شمار کرتا ہے اور نہ ان کے ساتھ دینی امور جیسا معاملہ کرتا ہے۔ مثلاً طبیب اور سیاق دان (حساب دان) کو کوئی شخص علمائے دین میں شمار نہیں کرتا، اور ان کے ساتھ علمائے دین جیسا معاملہ نہیں کرتا، البتہ اس زمانہ کے بعض بے وقوف لوگ منطق اور علم ہئیت جاننے والوں کو علمائے دین میں شمار کرتے ہیں اور ان دونوں علوم کو شریعت کے پسندیدہ علوم سمجھتے ہیں، تو ایسے

لوگوں کا ان دونوں علوم (منطق وہیئت) میں مشغول ہونا ان کے حق میں بدعت حقیقی ہوگا۔ لیکن ایسے لوگ جو اس درجہ کے احمق ہوں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اس لئے عام طور سے ان کاموں کے بدعت ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان امور اور اسی طرح کے دیگر امور میں بہت زیادہ مشغول رہنا بلکہ سب دنیوی امور میں اس طرح مصروف ومنہمک رہنا دل میں سختی پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے اور جلالِ الٰہی کی یاد کو بھلا دیتا ہے اور روح کو مکدر کر دیتا ہے۔ یہ حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے:

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَمَا وَالَاهُ اَوْ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا[1]

دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب ملعون ہے سوائے ذکر الٰہی کے، اور اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور عالم اور متعلم (علم سیکھنے والے) کے۔

اگرچہ یہ گفتگو ہماری اس بحث سے جس میں اس وقت ہم مشغول ہیں خارج ہے، یعنی بدعت اور سنت کے معنی کی تحقیق سے۔ لیکن جب گفتگو یہاں تک پہنچ ہی گئی تو ایک بہت مفید نکتہ کا ذکر یہاں کر دینا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شعر کے فن میں مہارت حاصل کرنا کئی وجہ سے ہوتا ہے (اور اس سے لوگوں کے کئی اغراض ومقاصد ہوتے ہیں)

بعض لوگ نیک ارادہ سے اس فن میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب مثل الدنیا ۱۲

مثلاً رب العالمین کی مناجات لکھنے کی غرض سے اور نعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور (خدا کے) مقبول بندوں کے مناقب وفضائل لکھنے کی غرض سے، اور سرکش کفار کی ہجو کرنے کی غرض سے، اور دینی احکام کو منظوم کرنے کی نیت سے اور اسی طرح کے دوسرے اسلامی کاموں کو سرانجام دینے کے لئے۔ ان مقاصد کے لئے اس فن کی مہارت حاصل کرنا بالعرض (بالواسطہ طور پر) عبادت ہو جاتا ہے۔

بعض دوسرے لوگ اپنے معاش اور روزی کے حصول کے لئے اس فن میں مہارت حاصل کرتے ہیں جیسے امراء کے منشی اور بچوں کے معلم اور استاد۔ تو ان لوگوں کے لئے یہ مباح کاموں کی قسم سے ہے۔

بعض اور لوگ یہ فن اس لئے حاصل کرتے ہیں تاکہ دوسروں پر اپنی عظمت اور بڑائی جتائیں اور غرور وتکبر کریں اور سادہ لوح (ان پڑھ) لوگوں کی تحقیر وتذلیل کریں۔ تو ایسے لوگوں کے حق میں یہ بدترین گناہوں میں شمار ہوگا۔

بعض دوسرے لوگ یہ فن شعر گوئی اس لئے سیکھتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ اپنی زبان کی شہوت پوری کر سکیں یعنی عورتوں اور امرد لڑکوں کے حسن کو بیان کرکے، اور (اپنے محبوب کے) خدوخال، غمزہ وادا، اشارے اور نظارے، نازوانداز، شراب وکباب، چنگ ورباب کا ذکر کرکے، اور اغلام اور جماع کی کیفیات بیان کرکے، اور رقص وسماع کا حال نظم کرکے اور اسی طرح کے دوسرے شہوت بھڑکانے والے امور کا ذکر

کر کے وہ اپنی شہوتِ لسانی کو پورا کرتے ہیں اور اس فنِ شعر گوئی کا ملکہ حاصل کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے حق میں یہ زبان کے زنا کی قسم سے شمار ہو گا۔

بعض دوسرے لوگ اس فن میں مہارت اس لئے حاصل کرتے ہیں تاکہ اس سے لطف اندوز ہوں، نفیس خیالی مضامین اور گہرے معانی کو سمجھیں، دقیق اور باریک اشارات اور مخفی کنایات پر غور کریں، اشعار کی پختہ عبارات، سلیس محاورات، عمدہ ترکیبوں، لطیف تشبیہوں اور خوبصورت استعاروں سے لطف اندوز ہوں۔ نیز الفاظ کی شیرینی، بندش کی چستی، لفظی اور معنوی صنعتوں کی رعایت اور اسی طرح کے دوسرے امور سے جن کا تعلق فصاحت و بلاغت سے ہے وہ محظوظ ہوں۔ الغرض ان لوگوں کی لذت اندوزی کا دارو مدار انہی مذکورہ بالا امور پر ہوتا ہے نہ کہ کسی خاص مضمونِ شعر پر۔ بلکہ ہر مضمون جس میں یہ مذکورہ بالا امور آسکتے ہوں اور بیان کئے جا سکتے ہوں وہ ان کے فکر کی جولانگاہ ہے، خواہ وہ مناجات، نعت رسولؐ اور منقبت ہو یا کسی کی ہجو ہو یا مدح ہو، اور خواہ وہ شوقیہ وعشقیہ مضامین ہوں یا بہاریہ مضامین۔ اور خواہ وہ سیرتِ انبیاء سے تعلق رکھتے ہوں یا قصص اولیاء سے، خواہ نیک لوگ کی حکایات ہوں یا سلاطین کے واقعات وسوانح حیات۔

خلاصہ یہ کہ ان لوگوں کی اپنی شعر گوئی میں سوائے لذتِ خیالی کے اور کوئی چیز مدِ نظر نہیں ہوتی۔ ان کا حال اپنی لذتِ خیالی کو تحریک دینے میں باغوں کی سیر کرنے والوں کی طرح ہے کہ ان کا مقصد کسی خاص جگہ پہنچنا نہیں ہوتا بلکہ

ان کا اصل مقصد حرکت کرتے اور چلتے پھرتے رہنا ہوتا ہے تاکہ وہ مختلف رنگوں اور گوناں گوں شکلوں کو دیکھ سکیں خواہ وہ کسی بھی سمت میں ہو اور خواہ ان کا کسی بھی باغ میں جانے کا اتفاق ہو جائے۔ چنانچہ اِس آیت کریمہ میں ایسے ہی لوگوں کا حال بیان ہوا ہے:۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝

(الشعراء: ۲۲۴-۲۲۶)

شاعروں کی پیروی تو صرف گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں ٹکریں مارتے پھرتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن کو کرتے نہیں۔

اسی وجہ سے یہ فن ان لوگوں کے حق میں لہو و لعب کی قسم سے ہے اور مکروہات شرعی میں داخل ہے، بلکہ احسان کی حقیقت کے حصول کے باب میں بہت ہی مضر چیز ہے۔ اس کو چھوڑنا ایمان کی نشانی ہے اور احسان کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝

(المومنون: ۱-۳)

وہ مومن کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع کرتے ہیں اور جو لغو (بیکار اور بیہودہ) باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

اور اس حدیث شریف سے بھی ثابت ہے:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ [۱]

آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے فائدہ اور بیکار کاموں کو چھوڑ دے۔

---

[۱] مشکوٰۃ، کتاب الآداب۔

اور حساب، ہیئت، ہندسہ (جیومیٹری یا انجینیری) اور منطق کی مشق کو شعر گوئی کی مشق پر قیاس کرنا چاہئے کہ ان کا سیکھنا بھی (شعر گوئی کی طرح) مختلف اغراض کے تحت ہوتا ہے۔ تو ان میں سے ہر فن کی مشق و مزاولت کے اچھے یا برے ہونے کا حکم اُن اغراض جیسا ہے (جن اغراض کے لئے یہ فن سیکھا جائے گا)۔ اور اس مشق و مزاولت کی علامت و نشانی یہ ہے کہ جتنی ضرورت ہو اتنے ہی پر اکتفا کرے، اس سے زیادہ اس میں نہ گھُسے اور نہ بہت مشغول ہو۔

بعض اوقات لوگوں کا میلان فکری لذت کے حصول کی طرف ہوتا ہے، اور یہ فکری لذت مندرجہ ذیل امور سے حاصل ہوتی ہے مثلاً نامعلوم اعداد کو ایک معین طریقہ اور قاعدہ سے معلوم کرنا اور حساب الخطائین[1] اور عکس و تبدیل اور جبر و مقابلہ کے ذریعہ معلوم کرنا، اور حساب کے مشکل سوالات حل کرنا، اور ہندسہ (جیومیٹری یا انجینیری) اور علمِ ہیئت کی اشکال کی حیثیتوں کا تخیل کرنا اور ان کے ثابت کرنے کے لئے قطعی دلائل ترتیب دینا۔ روشن اور واضح بدیہیات کو عمیق نظریات کی طرف اس طریقہ سے پہنچا کر اس میں کسی قسم کی غلطی یا بھول چوک کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے امور کا علم حاصل کرنا جن کو معلوم کرنا عادتاً بعید نظر آتا ہے۔ مثلاً جہات کی حدود، ستاروں کی مقدار و حجم،

---

[1] حساب الخطائین اور جبر و مقابلہ (یا الجبرا) وغیرہ علم الحساب کی قسمیں ہیں جن کے ذریعہ مجہول یا نامعلوم عدد کو معلوم کیا جاتا ہے ۱۲ مترجم

نیچے والے ستاروں سے ان کا فاصلہ اور تعین مقام، اونچی عمارتوں اور اونچے پہاڑوں کی بلندی، نہروں اور دریاؤں کی چوڑائی اور گہرائی وغیرہ۔ یا اسطرلاب کے آلات کا استعمال کرنا۔ یا مفہومات فائقہ کی حقیقت معلوم کرنا اور نظری تصورات کی حدیں مقرر کرنا، اجزائے عقلیہ کو ممیز کرنا اور اجزائے عقود کی تحقیق و تفتیش کرنا، اذعان و اعتقاد اور اس سے متعلقہ امور کی حقیقت کو واضح کرنا۔ قضیوں کے لوازم کی تحقیق کرنا اور قیاسات کی تالیف کے طریقوں کی تحقیق کرنا، نیز صناعات خمسہ[1] کے مباحث کی تصویر، ترکیب اور تحلیل کرنا۔ اور وہ عبارت ہے تقیید، توجیہ، دفع، منع، حل، نقض، قلب، معارضہ، اور اسی طرح کے دیگر امور کی استعداد حاصل کرنے سے جو کہ نہایت ذکی و ذہین لوگوں کے افکار کی جولانگاہ ہیں۔ ان مذکورہ بالا امور کی مزاولت و مشق بھی اسی فکری لذت کی طرف میلان طبع ہونے کی وجہ سے ہی عمل میں آتی ہے۔

(واضح رہے کہ) قوت عقلیہ کا مفہومات میں منہمک رہنا اور قوتِ فکریہ کا تعمقات (گہری باتوں) میں مشغول رہنا قوتِ حاسّہ کے جسمانی لذّتوں میں مشغول رہنے اور قوتِ متخیلہ کے شعری مضامین اور موسیقی کی دھنوں اور شطرنج کے کھیل وغیرہ میں مشغول رہنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لئے کہ معقولات کے میدان، تخیلات کے باغات اور محسوسات کے جنگلات سے

---

[1] صناعات خمسہ یعنی قیاس برہانی، قیاس جدلی، قیاس خطابی، قیاس شعری، قیاس سفسطی۔ یہ اور دیگر مذکورہ اصطلاحات علم منطق سے تعلق رکھتی ہیں۔ انکی تعریفات متعلقہ کتب میں ملیں گی یہاں ان کی توضیح کی ضرورت نہیں ۱۲ مترجم

زیادہ وسیع و عریض ہیں، اور لذتِ عقلیہ، خیالی اور حسی لذتوں سے بہت زیادہ لطیف ہے، اور قوتِ فکریہ کا صبا رفتار گھوڑا قوتِ متخیلہ کے خچر اور قوتِ حسیہ کے گدھے سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہے۔ اور غور و فکر (عقل) کی تیز روی قوتِ خیال کی (بے ڈھنگی) دوڑ اور حواس کی اڑیل چال سے زیادہ پُر لطف اور حسین ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اول الذکر امور میں مشغول ہونا آخر الذکر امور میں مصروف ہونے سے کئی درجہ زیادہ قوی ہوگا، اور دلوں کی تہہ میں زیادہ بیٹھا ہوا ہوگا اور شریعت ایمان سے زیادہ دور ہوگا جو کہ اسلاف امتیین کا طریقہ سلوک ہے۔ اور یہ حیرانی اور پریشانی کی روش میں بہت دور (تک گیا ہوا) ہوگا جو کہ بعد میں آنے والے نام نہاد فلسفیوں کی ایجاد کردہ ہے۔ اور یہ احسان کی حقیقت کے حصول میں مضر ہوگا۔ اور احسان درحقیقت عبارت ہے دلی ارادہ کے فنا کرنے سے، اور تہہ دل سے اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر اشیاء سے تعلق توڑنے سے۔ اور اللہ کے سوا دیگر چیزوں سے لذت اندوز ہونے سے اعراض کرنا اس کا حاصل اور خلاصہ ہے۔ اور یہ انبیاء علیہم السلام کے معارف و علوم کے ذریعہ اطمینان حاصل کرنے کے باب میں بھی ایک انتہائی موٹا پردہ (ثابت) ہوگا۔ کیونکہ ان علوم و معارف کے حصول کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نگاہ بصیرت کو حظیرۃ القدس سے نازل ہونے والے اس فیض کی طرف جمائے رکھے جو کہ شریعت کے قالب اور سنت کے لبادہ میں ظاہر ہوا ہے۔

سبحان اللہ! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ (ہماری) غرض یہ ہے کہ شرک و بدعت (کی آلودگیوں) سے پاک و مبرا مومن کو چاہیے کہ روشن

و واضح ملت حنیفی کو مذکورۃ الصدر امور کی نجاست و آلودگیوں سے حتی الامکان پاک صاف رکھے، اور ان کی لذت اور چسکہ کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دے۔ ان میں سے جتنے علوم کی ضرورت و حاجت ہو صرف اتنی مقدار پر اکتفا کرے اور اپنے قیمتی وقت کو زائد از ضرورت تعمقات اور باریکیوں میں (غور کرکے) ضائع نہ کرے، کیونکہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے هَلَكَ الْمُتَعَمِّقُوْنَ (باریکیوں میں پڑنے اور گہرائی میں جانے والے ہلاک ہوئے)۔ اور چاہیئے کہ مذکورۃ الصدر امور میں مشغول ہونے کو ضرورت کی بنا پر حاجت پوری کرنے کا ایک ذریعہ سمجھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ۔ (تمام تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہے جس نے ہمیں (ہدایت کی) راہ دکھائی۔ اور اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا نہ فرماتا تو ہم ہدایت (کی راہ) نہ پا سکتے تھے)۔

فصل ثانی

بدعت کا حکم

معلوم ہونا چاہئے کہ بدعت کے حکم کی تحقیق دراصل چند مقدمات کے بیان کرنے پر موقوف ہے۔ (جب تک وہ بیان نہ ہوں بدعت کا حکم واضح نہیں ہو سکتا)

پہلا مقدمہ

معلوم ہونا چاہئے کہ بدعت کے مفہوم کا خلاصہ فصل اول میں بیان کی ہوئی باتوں سے جس طرح واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر عقیدہ یا مقام یا وارد یا حال یا قول یا فعل جو کہ عبادات کی قسم سے ہو یا عادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات کی قسم سے ہو، اور اسی طرح ان مذکورہ امور میں (اپنی طرف سے) کوئی مخصوص قید لگا کر مقید کرنا اور کچھ معینہ حدود لگا کر ان کو معین کرنا، اسی طرح ان امور کے (انجام دینے کے) موقع و محل کو (اپنی طرف سے) مقرر کرنا اعلان یا تشہیر کے ذریعہ، یا خفیہ رکھ کر، اہتمام کے ذریعہ یا بغیر

اہتمام کئے، یا اس کا التزام کر کے یا بغیر التزام کئے جو کہ نہ قرآن مجید سے ثابت ہو اور نہ سنت مطہرہ سے اور نہ قرون ثلاثہ (صحابہ رضؓ، تابعین رحؒ اور تبع تابعین رحؒ کے زمانوں) میں رواج پانے اور مشہور ہونے سے، اور نہ اہل حق کے اجماع سے، اور نہ ایسے صحیح قیاس سے جو اگلے زمانہ کے مسلمہ مجتہدوں سے مروی ہو، اور ایسے (بدعتی) کام کو سرانجام دینے والا اس کو دینی کام سمجھے اور اس کو دین کے کاموں کی طرح عمل میں لائے تو ہم ایسے کام کو **بدعت** کہتے ہیں[1]۔ کتاب و سنت میں اکثر جگہ بدعت کا لفظ انہی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً آیت کریمہ ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (اے محمدؐ! کہہ دو کہ میں رسولوں میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ (الاحقاف: ۹)

کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے زمانہ میں موجود نہیں تھے اور نہ آپ کی مخصوص شریعت موجود تھی، بلکہ وصفِ رسالت کے تعلق سے آپؐ کی نظیر (پہلے زمانہ میں) موجود تھی[2]، اور آپؐ کی شریعت کی

---

[1] اسی کو ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ (جس نے ہمارے اس امر یعنی دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود ہے)۔ ۱۲

[2] یعنی پہلے آپؐ جیسے رسول اور انبیاء علیہم السلام دنیا میں آچکے تھے جو آپؐ کی طرح خدا تعالیٰ کا پیغام بندوں کے پاس لاتے تھے ۱۲۔

مثالیں اور نظیریں بھی اگلے زمانوں میں سابق شریعتوں (کی شکل) میں موجود تھیں۔ اسی بنا پر آپؐ کی ذات گرامی اور آپؐ کی شریعت مطہرہ کے بدعت (نئی چیز) ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے بدعت ہونے کی نفی اور انکار کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس چیز کی نظیر یا مثال پہلے زمانہ میں موجود ہو۔

اس کے علاوہ (بعض) متواتر احادیث میں بدعت کو سنت کے مقابل بیان فرمایا گیا ہے، اور اس کو بُرا کہا گیا ہے اور اُس کے اتباع سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ مثلاً اس حدیث میں:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ [1]

تم پر لازم ہے میری سنت (پر چلنا) اور (میرے) نیک ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے خلفاء کی سنت (پر چلنا)

ایک اور حدیث میں ہے:

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي [2]

(سنت وہ ہے) جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

اس حدیث میں آپؐ نے بدعتوں کے ظاہر ہونے کے زمانوں میں خلفائے راشدینؓ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کی سیرت و طرز عمل کو (امت پر) واجب الاتباع قرار دیتے ہوئے اپنی (سنت) سے ملا کر بیان فرمایا ہے۔

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۱۲

[2] ایضاً۔

ایک اور حدیث میں جو ترمذی نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے، منقول ہے کہ

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ لَكَثِيرٌ فِي النَّاسِ قَالَ وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حلال طیب (کھانا) کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کے شر و فساد سے محفوظ رہے وہ جنت میں داخل ہوگا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آجکل تو یہ باتیں لوگوں میں بہت کثرت سے (پائی) جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ میرے بعد کے زمانوں میں (بھی) ہوں گی۔

ایک اور حدیث جو مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اس میں ہے

قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰى يُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى. فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ حِينَ أَنْزَلَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِي

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ رات اور دن اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ لات اور عزّٰی کی پوجا (دوبارہ) نہیں ہوگی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری هُوَ الَّذِي

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۱۲

أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اِنَّ ذٰلِكَ تَامًّا ۔ قَالَ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللّٰهُ الحدیث ؎

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ (الآیہ)۔ (وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ (یہ بات) مشرکوں کو کتنی ہی بُری لگے") تو میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ بات پوری ہوگی۔ آپ نے فرمایا بے شک اس میں سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا واقع ہو کر رہے گا۔ (آخر حدیث تک)

آپؐ نے خبر دی ہے کہ آخر کے چند ادوار میں سنت پھیلے گی اور دین کو رواج ملے گا، اور ان ادوار یا قرون کو آپ نے (خیر القرون قرار دیتے ہوئے) فرمایا ہے:

خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ۔

میری امت میں سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئیں گے (تابعین)، پھر ان کا جو ان کے بعد آئیں گے (تبع تابعین)۔

اس قسم کی اور بہت سی احادیث میں آپؐ نے تین زمانوں کی تشریح فرمائی ہے۔ ؎۲

؎ مشکوٰۃ: کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس ۱۲۔

؎۲ ملاحظہ ہو، مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب المناقب، باب مناقب الصحابہؓ۔ نیز کتاب الامارۃ والقضاء، باب الاقضیۃ والشہادات ۱۲

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النسآء: ۱۱۵)

اور جو کوئی ہدایت کا راستہ واضح ہونے کے بعد رسول خدا (کے حکم) کی خلاف ورزی کرے گا اور مومنوں کے راستہ کے خلاف دوسرے راستہ پر چلے گا تو جدھر وہ مڑے گا ہم ادھر ہی اس کو موڑ دیں گے اور اس کو جہنم میں ڈال دیں گے جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

تو اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اجماع کی پابندی کرنے کو اتباع سنت کے واجب ہونے کے حکم سے ملا دیا ہے، یعنی سنت کی طرح اس کے اتباع کو بھی واجب قرار دیا ہے۔

لہٰذا اب واضح ہو گیا کہ (بعض) متواتر احادیث میں جو بدعت کا لفظ آیا ہے اس سے یہی معنی مراد ہیں اور وہ انہی معنی میں استعمال بھی ہوا ہے۔ پس لازمی طور پر بدعت کا لفظ مذکورہ معنی کی نسبت سے ایک شرعی حقیقت ہے۔ خارجی قرائن کی غیر موجودگی میں اس لفظ کو اسی معنی پر محمول کرنا واجب ہے۔ لیکن کسی اور معنی میں اس کو استعمال کرنا اس کا مجازی استعمال کہلائے گا جس کے لئے خارجی قرائن کی ضرورت ہوگی۔ (ان خارجی قرائن کے بغیر اس کو مجازی معنی میں نہیں لے سکتے) جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول میں

آیا ہے جو آپؓ نے تراویح کی بابت فرمایا تھا کہ نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ (یہ اچھی بدعت ہے)۔ اس لئے کہ ان کے کلام میں لفظ بدعت سے صرف یہ مراد ہے کہ تراویح اس مخصوص ہیئت میں اور رمضان کی تمام راتوں میں اس التزام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانہ میں موجود نہیں تھی[1]۔ تو یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ عام ہیں۔ دراصل یہاں تراویح پر بدعت کے لفظ کا اطلاق بالکل اس طرح ہے جیسے اپنی حالت (تھوڑی سی) تبدیل ہو جانے پر اسے نفاق سے تعبیر کرنا، جیسا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے قول میں آیا ہے۔ (انہوں نے اپنی دلی حالت میں تھوڑی تبدیلی پائی تو کہنے لگے) نَافَقَ حَنْظَلَۃُ (حنظلہ منافق ہو گیا)[2] دراصل یہاں

[1] یعنی تراویح جو آج کل ماہ رمضان کی ہر رات جماعت کے ساتھ ادا کی جارہی ہے اس طرح عہد رسالت میں نہیں پڑھی جاتی تھی۔ بلکہ کبھی کبھی اور انفرادی طور پر پڑھی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جماعت کے ساتھ بالالتزام پڑھنے سے احتراز بھی کیا تھا اس اندیشہ کی بنا پر کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے اور پھر اس کا ادا کرنا امت پر شاق گزرے۔ لیکن بعد کے زمانوں میں اس کو اس طرح ادا کرنے سے یہ اندیشہ نہیں تھا کیونکہ وحی منقطع ہو گئی تھی اور شریعت مکمل ہو گئی تھی ۱۲ مترجم

[2] اس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ ایک مرتبہ عہد رسالت میں حضرت حنظلہؓ کی ملاقات حضرت ابوبکرؓ سے سرراہ ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی مزاج پرسی کی۔ انہوں نے کہا "حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" انہوں نے جواب دیا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تراویح کی بابت لفظ بدعت کے مجازی معنی میں استعمال ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ یہ لفظ یہاں حقیقی معنوں میں اس لئے استعمال ہونا ممکن نہیں کہ یہ جملہ خلیفہ راشد کی زبان سے صادر ہوا ہے، اور اس جملہ کی عبارت تراویح کے اچھا ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں اس کی تعریف و تحسین کی گئی ہے۔ اور خلیفہ راشد کا کسی چیز کو اچھا کہنا اس چیز کو خلیفہ راشد کی سنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اور خلیفہ راشد کی سنت، سنت نبوی سے ملحق ہے۔ لہٰذا وہ بدعت کی ضد ہوئی۔

جب یہ مقدمہ بیان ہو گیا تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں پر یعنی بدعت کے حکم کی تحقیق کے مقام پر لفظ بدعت کے حقیقی شرعی معنی مراد ہیں۔

(باقی حاشیہ از صفحہ گذشتہ) کے پاس ہوتے ہیں اور جنت دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن ہم آپؐ کے پاس سے اٹھ کر گھر آجاتے ہیں تو بیوی بچوں اور کھیتی باڑی اور کاروبار میں ایسے لگ جاتے ہیں کہ اکثر باتیں بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ حالت تو ہماری بھی ہوتی ہے، بالآخر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حنظلہؓ نے یہی کہا کہ یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا وہ کیسے؟ اس پر حضرت حنظلہؓ نے وہی کیفیت کی تبدیلی بیان کی۔ تو آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر تمہاری ہمیشہ وہی حالت رہے جو میرے پاس بیٹھے ہوئے ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں پر آکر اور راستوں میں تم سے مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ! (یہ کیفیت) کبھی کبھی اور کسی کسی گھڑی ہوتی ہے ۱۲ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عزوجل) ۱۲ مترجم

دوسرا مقدمہ

معلوم ہونا چاہیئے کہ شارع (خداوند تعالیٰ) اپنے بندوں کو جو حکم فرماتا ہے وہ تین طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی یا تو اس[1] حکم کے ذریعہ کوئی چیز ان سے طلب کی جاتی ہے (کہ یہ کرو) مثلاً نماز اور روزہ۔ یا کسی[2] چیز کو ترک کرنے اور اس سے رکنے کے لئے کہا جاتا ہے مثلاً زنا اور چوری سے۔ یا کسی[3] چیز کو مباح قرار دیا جاتا ہے یعنی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس چیز کے کرنے نہ کرنے میں بندوں کا اختیار ہے، چاہیں تو کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ شارع کو نہ اس کا کرنا مطلوب ہے اور نہ اس کا چھوڑنا مطلوب ہے، جیسے کھانے پینے اور پہننے کی اکثر مباح چیزیں ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ وہ اچھے کام جو شارع کو مطلوب ہیں ان کے مختلف اسباب کی بنا پر مختلف مرتبے ہیں مثلاً داہنے ہاتھ سے کھانا کھانا، اور بائیں ہاتھ سے ناک سُنکنا۔ اسی طرح کھانے، پینے، پہننے، جماع کرنے اور رفع حاجت کرنے وغیرہ کے آداب اور اسی طرح کی دیگر اچھی عادات کے حُسن و خوبی کا ایک مرتبہ و درجہ ہوتا ہے۔ اسی مرتبہ کے مطابق وہ کام شارع کو مطلوب ہوتا ہے اور شارع کی طلب کا حکم اسی مرتبہ کے مطابق اس سے متعلق ہوگیا ہے اور عمدہ اخلاق و عادات اور اعلیٰ احوال و مقامات اپنی خوبی اور شارع کے طلب کرنے کے تعلق سے

ایک دوسرا مرتبہ رکھتی ہیں۔ اور عبادات و معاملات خصوصًا نماز کے احکام ایک دوسرا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح اعتقادی مباحث خصوصًا توحید اور ایمان بالرسالت کا کچھ اور ہی درجہ و مرتبہ ہے۔

ممنوع امور کی قباحت اور برائی کے درجوں کو بھی اسی طور پر اور اسی معنی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔ جیسے بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا اور داہنے ہاتھ سے ناک سنکنا اور اسی طرح کی دوسری بُری عادات کی قباحت کا ایک درجہ ہے کہ شارع کی ممانعت اسی درجہ میں اس سے متعلق ہے۔ اسی طرح اخلاق رذیلہ اور بری واردات اور مردود احوال و مقامات کی قباحت اور اس سے متعلق شارع کی ممانعت کا ایک اور درجہ ہے۔ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب خصوصًا حقیقی بدعتوں میں مبتلا ہونے (کی برائی) کا ایک دوسرا درجہ ہے۔ اور باطل عقائد سے متصف ہونے خصوصًا شرک اور انکار رسالت کے مرتکب ہونے (کی برائی) کا ایک اور ہی درجہ ہے۔

اسی طرح اگر ان مذکورہ مرتبوں اور درجوں میں سے ہر مرتبہ پر غور کریں تو اس مرتبہ میں بہت سے مزید مرتبے ظاہر ہوں گے۔ اور اگر ان ظاہر ہونے والے مرتبوں میں سے بھی کسی مرتبہ کو لے کر اس پر غور کریں تو اس میں بھی اسی طرح اور بہت سے مرتبے ظاہر ہوں گے۔ اور اگر اسی طرح کرتے جائیں تو یہ سلسلہ جاری رہے گا اور بے شمار نئے درجے اور مرتبے ظاہر ہوتے چلے جائیں گے۔

الغرض غور و فکر کا تیز رفتار گھوڑا اپنی بھاگ دوڑ سے تھک کر رُک

جائے گا لیکن (درجات و مراتب کا) یہ وسیع و فراخ میدان کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گا۔ اسی لئے علاّم الغیوب جلّ جلالہٗ نے جنت اور دوزخ کے (بے شمار) درجے ایک دوسرے کے مقابل پیدا کئے ہیں، انسانی عقل ان کی تفصیلات کا ادراک و احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن اجمالی طور پر اتنا یقینی ہے کہ جنت کے تمام درجوں میں راحت و آرام ہے اور دوزخ کے تمام درجوں میں تکلیفیں ہیں۔ اور انبیاء کا درجہ راحت کے حاصل ہونے کے لحاظ سے تمام سابقین سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور سابقین کا درجہ ابرار (نیک مسلمانوں) کے درجہ سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اگرچہ ان مذکورہ اقسام کے درجوں میں سے ہر ہر درجہ کو الگ الگ دیکھیں تو ان میں بھی اسی تفصیل کے ساتھ باہم ایک بڑا فرق اور اختلاف پایا جائے گا۔

اسی پر دوزخ کے درجوں کو قیاس کر لینا چاہئے، مثلاً کفار کا درجہ تکلیف ہونے کے لحاظ سے بدعتیوں سے زیادہ سخت ہوگا اور بدعتیوں کا درجہ فاسقوں فاجروں کے درجہ سے سخت تر ہوگا۔

اسی طرح اتنی بات اجمالی طور پر عقل میں آتی ہے کہ ان تمام امور میں جو شریعت کو مطلوب ہیں (یعنی جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) ایک طرح کا حُسن اور خوبی موجود ہے خواہ وہ خوبی کم ہو یا زیادہ۔ (لیکن ہے ضرور)۔ اور شریعت کی منع کی ہوئی باتوں میں کسی نہ کسی درجہ کی قباحت اور برائی موجود ہے، خواہ برائی کم ہو یا زیادہ۔ اور قوی ہو یا ضعیف۔ اور مجمل طور پر اتنا بھی (ہمیں) معلوم ہے کہ شریعت کے مطالبہ (حکم) کے بعض مراتب

کا مقتضا ندب (جواز) ہے، اور بعض کا مقتضا وجوب (فرضیت) ہے، اور بعض کا مقتضا اصل ایمان میں داخل ہونا اور اس کا جزو بننا ہے۔ اسی طرح شریعت کی ممنوعات کا حال ہے کہ ان میں سے بعض کے مراتب کا تقاضا کراہت ہے، بعض کا حرمت ہے اور بعض کا کفر میں پہنچنا ہے۔

اس کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ کسی مخصوص معاشی (دنیوی) یا معادی (اخروی) امر کی بابت شرعی حکم کی تلاش و تحقیق دو طرح پر ہوتی ہے:

(۱) پہلی قسم کی تلاش و تحقیق اجمالی ہے یعنی صرف اس بات کی تحقیق کرنا کہ فلاں کام شریعت کی رو سے اچھا ہے یا بُرا ہے (وہ حسن ہے یا قبیح) یعنی آیا اس قسم کے امور سے ہے جن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے یا اس قسم کے امور سے جن کے کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔

(۲) دوسری قسم کی تلاش و تحقیق تفصیلی ہوتی ہے۔ یعنی یہ معلوم کرنا کہ وہ کام حسن و قبح کے کس درجہ میں ہے۔ (یعنی اگر وہ شریعت کی رو سے اچھا اور حسن ہے تو کس درجہ کا، اور اگر بُرا اور قبیح ہے تو کس درجہ کا)۔ اور شارع نے جو اس کو مطلوب یا ممنوع قرار دیا ہے تو وہ طلب (حکم) یا ممانعت کس درجہ کی ہے؟۔

اس کی مثال بالکل اس طرح ہے جیسے بھوکے آدمی کو صرف اتنی خبر مل جائے کہ فلاں جگہ کھانا ہے تو اس کی طلب کا جوش اُس کے دل میں ایسا اٹھتا ہے کہ اس کھانے کی تفصیلات اور خصوصیات سے لاعلمی کے باوجود وہ چار و ناچار کشاں کشاں کھانے کی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک سچے عاشق کو بس

یہ پتہ چل جائے کہ فلاں بات سے میرے عاشق کو رنج وملال ہوتا ہے تو اس عاشق صادق کے دل میں اس بات سے نفرت اور کراہت پیدا ہو جاتی ہے اور اس بات کے قریب جانے سے بھی ایسا بھاگتا ہے جیسے بزدل انسان میدانِ جنگ سے دور بھاگتا ہے۔ اگرچہ اِس عاشق صادق کو یہ معلوم نہ ہو کہ معشوق کو اس بات سے کس درجہ کا رنج وملال ہوتا ہے۔

بالکل یہی حال ایک طالبِ حق کا ہوتا ہے۔ اس کو بس اتنا معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز شریعت کی رو سے حسن اور اچھی ہے اور شرع کی مطلوبہ چیزوں میں سے ہے (جن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے) تو اس کی طلب کا جوش و ولولہ اس کے دل میں ایسا موجزن ہوتا ہے کہ کشاں کشاں اس کو نہ صرف اس کے حاصل کرنے پر آمادہ کرتا ہے، بلکہ (لوگوں میں) اس کی ترویج وتبلیغ اور تعلیم پر بھی اکساتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث اسی حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ [1]

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس (شریعت اسلامیہ) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لیکر آیا ہوں۔

اسی طرح ایک سچے مومن کو جیسے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں چیز شریعت کی رو سے قبیح ہے اور شرع کی ممنوع چیزوں میں داخل ہے تو اس کے دل

[1] مشکوٰۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام، عن عبداللہ بن عمرو ۱۲

میں اس چیز سے ایسی نفرت وکراہت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اس سے دور بھاگنے لگتا ہے جیسے باعزت اور آبرو دار لوگ عزت کو بٹہ لگانے والی اور باعث ننگ و عار چیزوں سے دور دور رہتے ہیں چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے:

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ الحدیث [1]

حلال بھی ظاہر ہے، اور حرام بھی ظاہر ہے، ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں (جن کے حلال وحرام ہونے میں شبہ ہے) تو بہت سے لوگوں کو ان کا علم نہیں ہے تو جو شخص شبہ والی چیزوں سے بچا رہے گا وہ اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مومنانِ پاک ضمیر اور طالبانِ ذی ہوش اور شرک کی آویزش سے پاک موحدین کی ترغیب وترہیب کے لئے (شریعت کا) صرف ایک اجمالی حکم کافی ہے۔ جہاں تک اس کے تفصیلی حکم کی تلاش وتحقیق کا تعلق ہے تو یہ دراصل مجتہدین کا منصب ہے۔ اور مقلدین کا اس کے پیچھے پڑنا سوائے شور و شغب برپا کرنے، بحث ومباحثہ شروع کرنے اور مناظرہ وجدال بپا کرنے کے اور کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

جب یہ مقدمہ بیان ہو چکا تو معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں پر ہمارا اصل

[1] مشکوٰۃ: کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال ۱۲

مقصود یہ ہے کہ مطلق بدعت شریعت میں حَسن ہے یا قبیح۔ یہ معلوم کرنا مقصود نہیں ہے کہ کونسی بدعت کونسے درجہ میں حسن اور اچھی ہے اور کونسی بدعت کس درجہ میں قبیح اور بُری ہے ⁂

تیسرا مقدمہ

معلوم ہونا چاہیئے کہ متعدد چیزیں ایک ہی عام حکم میں مندرج ہوتی ہیں اور اس کے تحت بیان کر دی جاتی ہیں، جیسے مسلم اور کافر کا لفظ انسان کے مفہوم اور معنی میں داخل ہونا۔ اور بکری اور سوّر کا گوشت کا کھانے کی چیزوں کے معنی میں داخل ہونا۔ شراب اور پانی کا مشروب (پینے کی چیزوں) کے معنی میں داخل ہونا۔ نقد اور جنس کا مال کے معنی میں داخل ہونا۔ زنا اور اپنی بیوی یا باندی سے صحبت کا وطی کے معنی میں داخل ہونا۔

پس شریعت کا حکم دو طریقوں سے ان سے متعلق ہوجاتا ہے:

(۱) اوّل طریقہ یہ کہ ان مخصوص چیزوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاص حکم متعلق ہوجاتا ہے، اور مطلق (غیر مخصوص) چیز کے ساتھ اس کی ذات پر نظر کرتے ہوئے شریعت کا کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا۔ جیسے بکری کا گوشت حلال ہے اور خنزیر (سوّر) کا گوشت حرام ہے۔ (یہ تو مخصوص اشیا کی مثال ہوئی)۔ لیکن مطلق گوشت کو نہ حلال کہہ سکتے ہیں اور نہ حرام کہہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں ترغیب و ترہیب کے موقع پر مطلق گوشت سے نہ نفرت دلانی چاہیئے اور نہ اس کی رغبت دلانی چاہیئے۔ احتیاط و تقویٰ بے شک

قابلِ تعریف شرعی کاموں میں سب سے افضل ہے، لیکن مطلق گوشت (کھانے) سے اس لئے احتراز کرنا کہ خنزیر کا گوشت بھی ایک قسم کا گوشت ہے، ہرگز احتیاط و تقویٰ میں داخل نہیں ہے، بلکہ وہ ایک طرح کا وہم اور وسوسہ ہے جو شرع میں منع ہے۔ (یہ تو تھا تقوے کا معاملہ)۔ اب جہاں تک فتوے کا تعلق ہے تو مفتی کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ مذکورہ بالا مطلق چیز پر کوئی حکم جاری کرے۔ بلکہ (اس کو چاہیئے کہ) وہ فتویٰ پوچھنے والے کو بتادے کہ "تیرا یہ سوال ہی ناقص اور ادھورا ہے، اور جواب کے قابل نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مطلق اس صورت میں کئی اقسام میں منقسم ہے اور ان میں سے ہر قسم اور ہر نوع کا حکم دوسرے سے جدا ہے۔ تو تو کس قسم (کے گوشت یا چیز) کی بابت پوچھ رہا ہے؟" مثلاً کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ گوشت کا کھانا حرام ہے یا حلال ہے؟ تو اس کا جواب دینے والے مفتی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس مجمل اور گول مول سوال کو کافی سمجھ کر اس (مطلق گوشت) کے حلال یا حرام ہونے کا فتوے دے دے۔ بلکہ مفتی کو چاہیئے کہ وہ سائل سے کہے کہ گوشت کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً بکری کا گوشت اور خنزیر کا گوشت۔ تو پہلا یعنی بکری کا گوشت حلال ہے اور دوسرا یعنی خنزیر کا گوشت حرام ہے۔ تُو گوشت کی ان دونوں قسموں میں سے کس قسم کے گوشت کی بابت دریافت کر رہا ہے؟ بیان کر، تاکہ اس کے مطابق جواب دیا جائے"، اور ایسے موقع پر احکام بیان کرتے وقت قضیۂ کلیہ (کلّی صورتحال) یا قضیہ مطلقہ (عام صورت حال) کا نقشہ کھینچنا (اور محض اصولی بات بیان کرنا) مناسب

نہیں ہے، مثلاً حرام کھانوں کے بیان کرنے کے موقع پہ یوں کہنا کہ "ہر گوشت حرام ہے" یا یوں کہہ دینا کہ "گوشت حرام ہے" درست نہیں ہے، اگرچہ ایک عام حکم کو مخصوص کرنے والی باتوں اور مطلق حکم کو مقید کرنے والے امور کو پیشِ نظر رکھا جائے اور ان کا لحاظ رکھا جائے تو لغت کے اعتبار سے یہ جواب درست ہی ہو۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ لفظ "ہر گوشت" سے مخصوص حیوانات کا گوشت مراد ہو۔ لیکن پھر بھی ایسا (مبہم) کلام کرنا خواص اور عوام دونوں کے نزدیک بُرا ہے، اور بلاغت کے درجہ یعنی مقتضائے مقام کے مرتبہ سے گرا ہوا ہے اور محاورۂ زبان سے بہت بعید ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس مفتی کا مذکورہ بالا جواب اور فتویٰ دینا ظاہر کے بھی خلاف ہے اور (پوری طرح) سمجھ میں بھی نہیں آتا۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مطلق (غیر مخصوص) چیز کی ذات کو پیش نظر رکھا جائے اور فی نفسہ اسی کا لحاظ رکھا جائے تو احکامِ شریعت میں سے کوئی نہ کوئی حکم اس سے متعلق ہو جاتا ہے۔ پھر وہی حکم اس مطلق چیز کے تمام افراد پر اسی مطلق کے اعتبار سے جاری ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں مطلق اپنی ذات کے لحاظ سے تمام خصوصیات (مخصوص اشیاء) میں اسی حکم کا تقاضا کرتا ہے، اگرچہ (اس کے) بعض افراد میں خارجی عوارض کے سبب مطلق کا حکم چھپ جاتا ہے (معطل ہو جاتا ہے)۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مطلق خنزیر کا گوشت حرام ہے، اگرچہ حالتِ اضطرار میں (جبکہ بھوک سے مر جانے کا اندیشہ ہو تو) یہ مباح (جائز) ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مطلق

شراب پینا حرام ہے، اگرچہ کسی (جابر) کے زبردستی پلانے کی صورت میں اس کا پینا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے، اور مطلق چوری کرنا حرام ہے، لیکن مجبوری اور حالتِ اضطرار میں وہ جائز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مطلق کفریہ کلمات زبان سے ادا کرنا (سخت) قبیح فعل ہے (بلکہ کفر ہے)، لیکن اگر کوئی بجبر و اکراہ ایسے کلمات کہلوائے تو یہ معاف ہے۔ اسی طرح نماز پڑھنا بے شک ایک اچھا فعل ہے، لیکن طلوعِ آفتاب کے وقت منع ہے۔ اور تلاوتِ کلام پاک عبادت ہے، لیکن یہ بھی جنابت کی حالت میں حرام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مطلق ذکر الٰہی پہ مداومت کرنا بے شک تمام عبادتوں سے بڑھ کر تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہے لیکن قضائے حاجت کے وقت یہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔

پس ان ملحوظات کی روشنی میں ترغیب و ترہیب کی غرض سے مطلق ذکر الٰہی پہ مداومت کی ترغیب دینا اور مطلق شراب پینے سے نفرت دلانا درحقیقت دین کی اشاعت کا ایک رکن ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کا ایک ذریعہ ہے۔ رہے وہ موانع اور خارجی عوارض، (جن کی وجہ سے نیک کام حرام اور بُرے کام جائز ہو جاتے ہیں) تو ان کی تفصیلات کا ذکر کرنا وعظ و تذکیر کی ضروریات و لوازمات میں سے نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات ان باتوں کا وعظ میں ذکر نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں ذکر الٰہی کی فضیلت بیان کی گئی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ — وہ لوگ جو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے

قِیَامًا وَّقُعُوْدًا — اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے (ہر وقت)

وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ۔ الآیۃ (آل عمران: ۱۹۱) اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اسی طرح یہ حدیث شریف ہے (جس میں ذکر الٰہی کی ترغیب ہے):

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ [1] — تیری زبان ذکر الٰہی سے ہمیشہ تر رہنی چاہئے۔

تو اس آیت کریمہ اور حدیث شریف کے معنی و تشریح بیان کرتے وقت ذکر الٰہی پر مداومت کرنے کے فضائل و منافع ہی کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس موقع پر بیت الخلاء میں ذکر الٰہی سے احتراز کرنے کا مسئلہ بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے جس میں شراب اور جوئے وغیرہ کی ممانعت وارد ہوئی ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (المائدہ: ۹۰) — بے شک شراب اور جوا اور بتوں کے تھان اور پاسے (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں، تم ان سے بچتے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

اور اس حدیث شریف میں بھی شراب خوری کی مذمت کی گئی ہے:

مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَّاتَ — شراب کا عادی شخص اگر (اسی حالت میں)

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عزوجل۔

لَقِیَ اللّٰہَ کَعَابِدِ وَثَنٍ۔ [1] — مر گیا تو وہ خدا سے ایک بت پرست کی حالت میں ملے گا۔

تو اس آیت کریمہ اور حدیث نبوی کے معنی بیان کرتے وقت شراب خوری کی برائیاں اور اس کے نقصانات کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ کا ذکر نہیں کرنا چاہئے کہ زبردستی کوئی شراب پلا دے تو گناہ لازم نہیں آتا۔

اسی طرح مثلاً یہ آیت کریمہ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ (النساء: ۲۹) — اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جاتے تو وہ جائز ہے)۔

اور اسی مضمون کی یہ حدیث شریف ہے:

فَاِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا۔ [2] — تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر (ایک دوسرے پر) اسی طرح حرام ہیں، جیسے اس دن (۱۰ ذی الحجہ) کی حرمت ہے اور جیسے اس شہر (مکہ) کی حرمت ہے اور جیسے اس مہینہ (ذی الحجہ) کی حرمت ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الحدود، باب بیان الخمر ۱۲

[2] مشکوٰۃ، کتاب المناسک، باب خطبۃ یوم النحر ۱۲

تو اس آیت کریمہ اور حدیث نبویؐ کے معنی (وعظ و تذکیر کے دوران) بیان کرتے وقت صرف لوگوں کا مال ناحق کھانے کی برائی اور بلا اجازت دوسروں کا مال تصرف و استعمال میں لانے کی حرمت بیان کرنی چاہیئے۔ اس موقع پر اس مسئلہ کا ذکر نہ کرنا چاہیئے کہ حالتِ اضطرار میں اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ اکثر اوقات (وعظ میں) ترغیب و ترہیب کے موقع پر ان چیزوں کا بیان نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ (ان باتوں کے ذکر سے) عام لوگوں کی نظر میں، انکی کم فہمی کے سبب، ان گناہوں کی برائی کم ہو جاتی ہے اور وہ ان کو معمولی اور سہل سمجھنے لگتے ہیں۔ البتہ جب مذکورہ بالا صورت (یعنی حالتِ اضطرار کسی کو) پیش آئے اور کوئی اس سلسلہ میں استفسار کرے تو اس کے سوال کے مطابق جواب دینا چاہیئے۔ چنانچہ شارع علیہ السلام کے کلام میں ترغیبات و ترہیبات اسی انداز سے وارد ہوئی ہیں۔

لیکن تقویٰ اور اختیار کرنا مقصود ہو تو منکرات و ممنوعات کے مطلق استعمال سے اجتناب اور کسی کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف سے باز رہنے کا اصول پیش نظر رہنا چاہیئے، اور جب تک اس کے حلال ہونے کا پورا پورا یقین خارجی عوارض و اسباب کی بنا پر حاصل نہ ہو جائے اس سے آلودہ نہ ہونا چاہیئے۔ اور جب تک اس کے حلال نہ ہونے کی بابت ہلکا سا وہم بھی باقی ہو تو اس کی حرمتِ اصلی کو پیش نظر رکھ کر اس سے بچنا اور اجتناب کرنا چاہیئے جیساکہ اس حدیث سے ثابت ہے:

فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ ۔ جو شخص شبہ والی چیزوں سے بچا تو اس نے

فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ ۔ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالیا۔

اور فتویٰ دیتے وقت مفتی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ مطلق پر جاری کر دیا کرے (اسے مقید یا مشروط نہ کیا کرے) اور جب تک سائل (مستفتی) دریافت نہ کرے خارجی موانع اور بیرونی رکاوٹوں کی تفصیل بیان نہ کرے اور نہ مطلق حکم کی حلال و حرام میں تقسیم کی بابت لب کشائی کرے۔ بلکہ حکم مطلق ہی کو اصل قرار دے۔ اور ایسی خارجی صورتوں کو جن میں حکم مطلق خارجی عوارض (عارضی اسباب) کی وجہ سے مخفی ہو جاتا ہے شاذ کے زمرہ میں داخل گردانے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ مسئلہ پوچھے کہ شراب حلال ہے یا حرام؛ تو اس (کا جواب دیتے وقت) اسی اجمالی سوال کی حدود تک رہے اور کہہ دے کہ حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی بالخصوص یہ سوال کرے کہ کسی کو زبردستی بجبر و اکراہ شراب پلا دی جائے تو کیا حکم ہے؟ تو اس صورت میں اس زبردستی اور جبر و اکراہ کا مسئلہ بیان کر دے اور جس کو اس طرح شراب پینے پر مجبور کیا گیا ہو اس کا حال معلوم کر کے اس کے مطابق جواب دے دے۔ لیکن (ایسے مواقع پر) یہ بات کہنا کہ "شراب اور سور کا گوشت دیگر کھانوں کی طرح حلال بھی ہے اور حرام بھی ہے"۔ اگرچہ یہ بات بہت دقتِ نظر سے غور کرنے پر ایک صورت میں صحیح بھی ہے یعنی "اگر کسی کو بجبر و اکراہ شراب پلائی جائی یا سور کا گوشت کھلایا جائے تو حلال ہے، ورنہ حرام ہے"، لیکن یہ گفتگو دراصل فقہ کی پہیلیوں کی قسم سے ہے جو کہ طلبہ اور بچوں کی ذہن کی آزمائش کے لئے کرتے ہیں۔ یہ ان فتووں اور

فیصلوں کے احکام کی قسم سے نہیں ہے جن کا مقصد ملت حنیفیہ کا انتظام اور نظم ونسق درست کرنا ہے۔ بلکہ شرعی احکام بیان کرتے وقت ایسی باتیں کہنا اللہ تعالیٰ کی آیت واحکام کے ساتھ تمسخر واستہزا میں شمار ہو سکتا ہے اور عوام کے دلوں میں مداہنت اور (دینی امور میں) سستی اور ڈھیلا پن پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ بلکہ درحقیقت ایسی گفتگو عرف اور محاورہ کی رو سے باطل محض ہے۔ اگرچہ لغوی لحاظ سے درست ہی کیوں نہ ہو۔ (میں تو یہ کہوں گا کہ) عوام کے حق میں مفید اور زبان کے محاورہ کے اعتبار سے درست کلام یہ ہے کہ "ہر شراب حرام اور نجس ہے، اور وہ (انسان کو) خدا سے دور کرتی ہے اور اس کی اصل قبیح ہے"۔ اور یہ جو جبر واکراہ کی صورت میں شراب کے مباح ہونے کا حکم بیان کیا جاتا ہے تو یہ بہت شاذونادر ہوتا ہے (جس کو اصول نہیں بنایا جاسکتا)۔ لہٰذا اس مقام پر حق کا تقاضا یہ ہے کہ ایک اصول کلیہ یا حکم مطلق بیان کیا جائے، نہ کہ اس کی مختلف اقسام اور مختلف صورتیں بیان کی جائیں۔ یعنی یوں کہنا چاہئے کہ "ہر خمر (شراب) حرام ہے" یا صرف اتنا کہنا چاہئے کہ "شراب حرام ہے"۔ یوں نہ کہنا چاہئے کہ "بعض شراب حلال ہے اور بعض حرام ہے"۔ چنانچہ شارع ؑ کے کلام میں یہی طریقہ جاری ہے، بلکہ فقہ کے مصنفین اور فتاویٰ کے مؤلفین کے کلام میں بھی یہی روش پائی جاتی ہے (جو ہم نے بیان کی)۔

مناظرہ کے موقع پر کسی خاص صورت کے حکم کی تحقیق کے سلسلہ میں اگر کوئی شخص حکم مطلق کے جاری ہونے کا دعویٰ زیر بحث

صورتِ خاصہ میں کرے تو وہ شخص (درحقیقت) اصل کے ساتھ تمسک کرنے والا کہلائے گا اس لئے کہ وہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے، (کیونکہ) اس کی دلیل وہی مطلق حکم ہی ہے۔ اس کے برخلاف وہ شخص ہے جو اس صورتِ خاصہ کی تخصیص کا دعویٰ کرتا ہے، اس لئے کہ اس کا دعویٰ ظاہر کے خلاف ہے اور خارجی دلیل کا محتاج ہے۔ جیسے کوئی شخص کہتا ہے کہ "شراب کا پینا زید کے لئے حرام ہے" تو اس قول کے لئے اسے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، برخلاف اس شخص کے جو کہتا ہے کہ "اگرچہ مطلق شراب پینا حرام ہے لیکن زید کے واسطے حلال ہے" تو اس قول کے لئے اسے کسی خارجی دلیل کی ضرورت ہوگی یعنی حالتِ اضطرار (کہ اس کے بغیر موت کا اندیشہ ہو) یا جبر واکراہ (کہ کسی نے زبردستی اس کو پلائی ہو) یا دیوانگی (کہ پاگل پن میں پی گیا)۔ ایسی صورت میں وہ زید کے لئے شراب کو جائز قرار دے سکتا ہے (کہ ان صورتوں میں زید پر کوئی گناہ عائد نہیں ہوتا)۔

جب یہ مقدمہ بیان ہو چکا تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ اس مقام پر ہمارا مقصود یہ ہے کہ آیا بدعت پہلی قسم سے ہے کہ ہر بدعت خاصہ میں غور کیا جائے کہ آیا وہ بری ہے یا اچھی۔ (حسن ہے یا قبیح)۔ اور اس کے حُسن یا قبیح کو ثابت کرنے کے لئے خارجی دلائل میں خوب غور وخوض کرنا چاہئے اور مطلق بدعت پر کوئی حکم نہیں لگانا چاہئے۔

یا وہ بدعت دوسری قسم سے ہے کہ مطلق بدعت کے لئے اس کے

اچھے یا برے ہونے کی صفت ثابت ہو، جو کہ خارجی دلائل سے قطع نظر تمام بدعات خاصہ میں ثابت ہے۔

الغرض ہمارا اصل مقصد مطلق کے حکم کی تحقیق و تفتیش ہے، اس پر طاری ہونے والے عوارض کی تلاش و تحقیق نہیں۔ کیونکہ ان عوارض کے پیش آنے سے بعض صورتوں میں مطلق کا حکم پوشیدہ رہ جاتا ہے، لہٰذا جس وقت اہلِ زمانہ میں مروج کسی امر کو یہ ثابت کیا جائے کہ فلاں چیز بدعت ہے تو اس پر مطلق بدعت کا حکم جاری ہو گا یعنی یا تو وہ اچھی (حسن) کہلائیگی یا بری (قبیح) لیکن اگر کوئی شخص اس خاص صورت کے مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس (دعویٰ کے حق میں) کوئی دلیل پیش کرے۔

اب جبکہ یہ تینوں مقدمے بیان ہو چکے تو اب ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر تین احتمالات ہو سکتے ہیں:۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ مطلق بدعت اپنی اصل کے اعتبار سے حسن ہو، جیسے شرعی عبادتیں۔ نماز، روزہ، ذکر اور تلاوتِ قرآن مجید۔ اگرچہ بعض اوقات عارضی اسباب اور خارجی عوارض کی وجہ سے یہ بھی عارضی طور پر قبیح شمار ہو جاتے ہیں، مثلاً کفار سے مشابہت لازم آنے کی وجہ سے یا دین و ملت کے کسی اصول میں خرابی لازم سمجھنے کی وجہ سے۔

لیکن یہ احتمال باطل ہے۔ بالاتفاق کسی عقلمند یا بے وقوف نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اس لئے کہ تمام مذاہب والے بدعات کو عیب

شمار کرتے ہیں نہ کہ کمالات۔

لیکن معاشی امور میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرنا مثلاً تیر کمان بنانا، یہ ہنر شمار ہوتے ہیں، دینی کام شمار نہیں ہوتے۔ بلکہ ائمہ دین کا اتباع کرنا اور ان کی تقلید کو لازم سمجھنا اور ان کے طریق و سنت کو جاری کرنا، دین کے اصل ارکان میں شمار ہوتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مطلق بدعت نہ تو حسن (عمدہ) ہوتی ہے اور نہ قبیح (بری)۔ جیسے مطلق کھانا، پینا، جماع کرنا، بات چیت کرنا، روپیہ پیسہ کمانا، اور صنعت و دستکاری میں مشغول ہونا، تو یہ بدعت دو قسموں میں منقسم ہوگی: ایک حسن (عمدہ) اور دوسری قبیح (بری)۔ لیکن ان میں سے کسی مخصوص بدعت کو حسن یا قبیح ثابت کرنے کے لئے، اور ان پر طاری ہونے والے عوارض اور خارجی دلائل پر خوب غور و فکر کرنا چاہئے، تاکہ صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ بدعت حسن ہے یا قبیح۔ محض یہ دیکھ کر کہ (فلاں کام) بدعت کے زمرہ میں داخل ہے، اس پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔

یہی اس دور میں عوام کے زبان زد ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ مطلق بدعت حقیقی شرعی معنی میں، خواہ حکمی ہو یا حقیقی، عام اس سے کہ اصلی ہو یا وصفی، اور عام اس سے کہ اس کا بدعت ہونا (اپنی طرف سے) حدیں مقرر کرنے اور اوقات معین کرنے کی وجہ سے لازم آیا ہو یا اس کا موقع بدل جانے کی وجہ سے جو کہ یہ سنت میں ثابت ہے، تو یہ تمام اقسام اپنی اصل کے اعتبار سے قبیح ہیں۔ عام اس سے کہ

وہ مکروہ ہوں یا حرام یا کفر تک پہنچانے والے ہوں۔ جیسے وہ تمام امور جو اپنی اصل کے اعتبار سے ہی قبیح ہیں مثلاً جھوٹ بولنا، فحش باتیں، ظلم، غیبت اور حسد وغیرہ۔ تو ان امور کی قباحت ثابت کرنے کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں، اس کے لئے صرف یہی بات کافی ہے کہ وہ بدعت ہے جیسا کہ ایسے کلام کو بُرا ثابت کرنے کے لئے صرف یہی بات کافی ہے کہ وہ کلام جھوٹا ہے یا فحش ہے۔ کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

لہٰذا صرف اتنا ثابت ہونے پر کہ فلاں چیز بدعت ہے اس کے برا ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں، اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ایسی بدعت سے بچنا چاہئے، اور تمام مسلمانوں کو (نیکی کی) ترغیب دینے اور بُرے کاموں سے ڈرانے کے لئے ایسی باتوں سے نفرت دلانی چاہئے۔ اور وعظ کی محفلوں اور تذکیر کی مجلسوں میں باآواز بلند ان امور کی برائی بیان کرنی چاہئے، خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ یہ بدعتیں عام رواج پا چکی ہوں۔ کیونکہ ایسے اوقات میں اچھی طرح ان سے نفرت دلانا اور پرہیز کرانا چاہئے، اور ان کو مٹانا اور باطل کرنے میں خوب کوشش کرنے کو اعلائے کلمۃ اللہ سمجھنا چاہئے۔ بالکل اس طرح جیسے کسی زمانہ میں جھوٹ بولنا اور فحش بکنا لوگوں میں عام رواج پا گیا ہو تو جو معاملہ اس زمانہ میں اس دروغ گوئی اور فحش گوئی کی مذمت اور اس سے لوگوں کو بچانے کے لئے کرنا چاہئے وہی معاملہ ہر اس بدعت کے ساتھ کرنا چاہئے جو اس زمانہ میں رائج ہو گئی ہو۔ اور جس طرح مطلق جھوٹ اور فحش گوئی سے ہمیشہ نفرت کی جاتی ہے اسی طرح

مطلق بدعت سے بھی ہمیشہ بچنا اور احتراز کرنا چاہئے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

اور جو شخص کسی مخصوص بدعت کو قُبح کے دائرہ سے نکال کر اس کے حسن و خوبی کو ثابت کرنے کے درپے ہوتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کن دلائلِ شرعی قائم کرنا بھی اسی کے ذمہ ہے، نہ کہ اس کے ذمہ جو (لوگوں کو) اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے اگر کوئی شخص کسی مخصوص جھوٹ یا فحش بات کو اچھا قرار دیتا ہے تو اس کے لئے دلائل پیش کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے، نہ کہ اس کی جو کہ ان سے پرہیز کرتا ہے اور ان کو بُرا سمجھتا ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کام کے بارے میں یہ احتمال ہو کہ وہ بدعت ہے، تو یہ احتمال ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس بدعت سے بچا جائے، جیسا کہ شیخ کمال الدین ابن الھمامؒ نے اپنی کتاب فتح القدیر شرح ہدایہ میں اور صاحبِ مجالس الابرار نے اس کو صاف طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث کی روایت کے باب میں اگر کذب (جھوٹ) کا احتمال بھی پایا جائے تو وہ اصل کذب کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

مَنْ حَدَّثَ عَنِّيْ بِحَدِيْثٍ	جس نے میری طرف سے حدیث روایت کی اور
يُرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ	اس کو معلوم ہے کہ وہ روایت جھوٹی ہے تو وہ
فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ	شخص بھی جھوٹوں میں شمار ہوگا کہ اس

نے جھوٹی روایت بیان کی)۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

یہ حدیث اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے اور یہی حق مذہب اور درست نظریہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مطلق بدعت پہلے احتمال کی رو سے ذکر الٰہی کی طرح ہوگی۔ اور دوسرے احتمال کی رو سے مطلق تکلم (گفتگو) کی طرح، اور تیسرے احتمال کی رو سے جھوٹ اور فحش تکلم (گفتگو) کی طرح ہوگی۔

ان میں سے تیسرا مذہب و نظریہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے ثابت اور مؤید ہے۔ اور دوسرا احتمال جو عوام کے زبان زد ہے وہ پہلے احتمال کی طرح باطل ہے۔ اور لوگ اس باب میں جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ سب غلط فہمی اور کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا (اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے) ہم اس مضمون کے دلائل دو مباحث میں بیان کریں گے: پہلا مبحث مذہب حق کے دلائل کے بیان میں، دوسرا مبحث عوام کے (غلط) خیالات و نظریات کی تردید میں۔

پہلا مبحث

مذہبِ حق کے دلائل کا بیان

یہ دو اقسام پر مشتمل ہے:

قسم اوّل

یہ ان آیات و احادیث کے بیان پر مشتمل ہے جو مذہب حق پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ تین انواع پر مشتمل ہیں:

نوع اول

ان آیات و نصوص کے بیان میں جو مطلق بدعتِ حقیقی کی قباحت اور برائی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ نوع چند مسائل پر مشتمل ہے:۔

(۱) **پہلا مسئلہ:** معلوم ہونا چاہیے کہ بدعت حقیقی، خواہ یہ اصلی ہو یا وصفی، اور عام تر اس سے کہ اس کا بدعت ہونا حدود و اوقات کو اپنی طرف سے مقرر کرنے کی وجہ سے ہو یا اس کا اہتمام کرنے یا نہ کرنے کے لحاظ سے اس کا موقع تبدیل کرنے کی وجہ سے ہو، تو ایسی بدعت کو ایجاد کرنا اور اس کو قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس بدعت کا کرنے والا اس کو دینی امور میں شمار کرتا ہے اور آخرت میں نفع بخش سمجھتا ہے، اور دنیا میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور خیر و برکت کا وسیلہ گردانتا ہے۔

(دراصل) یہ اعتقاد دو طرح سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک اس طرح کہ وہ اس بدعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے (مشروع کیا ہوا) یقین کرتا ہے، یعنی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خود خدائے بزرگ و برتر نے اس کو دینی

امور میں شامل فرمایا ہے، اور اس میں آخرت کا نفع رکھا ہے، اور اس کو اپنی رضامندی وخوشنودی کے حصول کا ذریعہ مقرر فرمایا ہے۔

اور یہ عقیدہ بھی کئی طرح سے پیدا ہوتا ہے:

ایک تو اس طرح سے کہ بغیر کسی (شرعی) دلیل کے محض (زبانی) دعویٰ کرتا ہے، اور صرف سینہ زوری کر کے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو بس یہی جانتا ہوں، یا یہی کہتا ہوں یا میرے نزدیک تو اسی طرح ہے یا میرے ذہن ودل میں تو یہ اسی طرح نقش ہے، اور میں اس سے ہرگز باز نہیں آؤں گا اگرچہ میں اس کے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا یا اگرچہ اس کے لئے کوئی دلیل قائم نہ ہو سکے۔

درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان وافترا ہے، اور دینی امور میں ایک جھوٹی بات گھڑنا ہے۔ اور بدترین بُرائی اور قبیح ترین قباحت ہے، اور اس کا کرنے والا بارگاہِ الٰہی سے دھکیلا ہوا اور راندۂ درگاہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۶۸)

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال وطیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔ اور یہ بھی کہ خدا کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔

اور سورۃ الانعام میں فرماتا ہے:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (الانعام: ۱۳۸-۱۴۰)

اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے۔ اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں کہ جن پر (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام نہیں لیتے۔ سب خدا پر جھوٹ ہے۔ وہ عنقریب ان کو ان کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر (اس کا کھانا) حرام ہے اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب خدا ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے۔ جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی اور بے سمجھی سے قتل کیا اور خدا پر افترا کر کے اس کی عطا کی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا وہ گھاٹے میں پڑ گئے۔ وہ بے شبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔

اور سورۃ اعراف میں فرماتا ہے:

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥

(الاعراف: ۲۸)

اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور خدا نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہدو کہ خدا بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا۔ بھلا تم خدا کی نسبت ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اور اسی سورۂ اعراف میں فرماتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥

(الاعراف: ۳۳)

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو (خواہ وہ) ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو حرام کیا ہے۔ اور اس کو بھی کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اور اس کو بھی کہ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔

اور سورۂ نحل میں فرماتا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ

اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ خدا پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو۔ جو لوگ خدا پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ

إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ٥

فلاح نہیں پائیں گے۔

(النحل: ۱۱۶)

اور سورۂ قصص میں فرماتا ہے:

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ٥ فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥

(القصص: ۴۹-۵۰)

کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم خدا کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت دینے والی ہو تاکہ میں اسی کی پیروی کروں۔ پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور سورۂ زمر میں فرماتا ہے:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِينَ ٥

(الزمر: ۶۰)

اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ بولا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہے۔

اور سورۂ صف میں فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الصف : ۷)

اور اس سے ظالم کون ہوگا کہ بلایا تو جاتے اُسے اسلام کی طرف اور وہ خدا پہ جھوٹ بہتان باندھے۔ اور خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِىْ اُمَّتِهٖ قَبْلِىْ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں تھا کہ جسکو اللہ تعالیٰ نے اس کی امت میں بھیجا ہو اور اس کی امت میں اس کے حواری (مددگار) نہ ہوں اور ایسے ساتھی نہ ہوں جو اس کی سنت پر عمل کریں اور اس کے حکم کی پیروی کریں، پھر ان (ساتھیوں) کے بعد ایسے ناخلف آتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں[1] اور وہ ایسے کام کرتے ہیں جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا۔ تو ایسے لوگوں سے جو ہاتھ سے جہاد[2]

۱؎ یعنی قول و عمل میں تضاد ہوتا ہے ۱۲

۲؎ یعنی ہاتھ سے ان کو رد کرے اور قتال کرے ۱۲

فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔

کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے[1] وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے[2] وہ بھی مومن ہے، لیکن اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اُمَّتِىْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِىْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِىْ فَقَدْ اَبٰى۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ (آپؐ سے) پوچھا گیا (کہ یا رسول اللہ!) وہ کون ہے جس نے انکار کیا؟ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اور حکم نہ مانا اس نے انکار کیا۔

امام محی السنہ بغویؒ نے اپنی کتاب شرح السنہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت نقل فرماتی ہے کہ انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایمان

۱؎ یعنی زبان سے منع کرے ۱۲ معراج محمد

۲؎ یعنی ان کو دل سے بُرا سمجھے ۱۲ معراج محمد

اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ ۔ نہیں لاسکتا (مومن نہیں ہوسکتا) جب تک کہ اس کی خواہش اس (شریعت) کے تابع نہ ہو جس کو میں لایا ہوں ۔

ان آیات واحادیث کے علاوہ اور بہت سی آیات واحادیث ہیں جو اسی مضمون پر دلالت کرتی ہیں، یعنی اس شخص کی مذمت کرتی ہیں جو بغیر کسی دلیل شرعی سے سند لینے کے محض اپنے دل کی خواہش کا اتباع کرکے احکام الٰہی میں دخل اندازی کرتا ہے اور محض ہیکڑی بازی اور سینہ زوری سے رضائے الٰہی یا غضب الٰہی کو کسی کام کے کرنے سے متعلق کرتا ہے ۔ اس قسم کی حرکت کو مذموم اور قبیح قرار دینے کی بنیاد یہی ہے کہ وہ شخص بغیر کسی (شرعی) دلیل کا حوالہ دیئے اس خطرناک وادی میں محض اپنی چرب زبانی کے بل پر کارخانۂ ربانی میں قدم رکھتا ہے اور دخل دیتا ہے، اگرچہ خود اس کے (بیان کردہ مسئلہ کے) باطل اور غلط ہونے پر بھی کوئی دلیل قائم نہ ہوئی ہو[1]۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے فعل کی مذمت کرتے ہوئے یوں فرمایا :

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (الاعراف: ۲۸) کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو (منسوب کرتے ہو) جس کا تمہیں علم نہیں (کہ اس نے فرمائی ہے)

۱؎ یعنی اگرچہ اس کی کہی ہوئی بات اور رائے بظاہر غلط نظر نہ آئے اور معقول لگے لیکن چونکہ وہ بلا سند خدا کی طرف منسوب کی گئی ہے اور اس کی رضا وغضب کو بلا دلیل کسی فعل سے متعلق کیا گیا ہے، لہٰذا یہ گویا اپنی طرف سے شریعت سازی ہے جو قابلِ مذمت ہے ۱۲ معراج محمد

اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی مذمت ان الفاظ میں نہیں فرمائی :

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ خِلَافَ مَا اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ ۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو (منسوب کرتے ہو) جو اس کے خلاف ہے جو اس نے نازل کی ہے ۔

اسی طرح حدیث شریف میں بھی اس فعل کی مذمت ان الفاظ میں آئی ہے:

وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ اور وہ وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا یا بتایا نہیں گیا ۔

یہ مذمت ان الفاظ میں نہیں آئی :

وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُنْهَوْنَ عَنْهُ اور وہ وہ کرتے ہیں جس سے ان کو روکا گیا اور منع کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا عقیدہ کے پیدا ہونے کی دوسری وجہ اور سبب عقلی اندازہ اور تخمین ہے ۔ یعنی بعض اوقات کچھ چیزوں کا حسن و قبح (بھلائی یا برائی) اور ان کی منفعت یا مضرت محض تجربہ سے یا قرائن و آثار وغیرہ پر نظر رکھنے سے عقل پر ظاہر ہوتی ہے تو انسان اپنی عقل اور ذاتی تجربہ پر بھروسہ کرکے اپنی اٹکل اور اندازہ سے اس چیز کو خدا تعالیٰ کی پسندیدہ یا ناپسندیدہ چیز قرار دے دیتا ہے ۔ (کہتا ہے) کہ فلاں چیز میں یہ یہ فائدے ہیں اور یہ منفعت بخش ہے تو لازمی طور پر یہ چیز (یا یہ کام) خدا کی نظر میں پسندیدہ اور مقبول ہونا چاہئے اور اس کی برکات کے نزول کا سبب بھی ۔ یا یوں کہتا ہے کہ فلاں چیز (یا کام) مضرت اور نقصان پہنچاتا ہے، لہٰذا لازمی طور پر یہ خدا کی نظر میں ناپسندیدہ، غیر مقبول اور مردود ہوگی اور اس کی لعنت کا سبب بھی ہوگی تو ایسا کام کرنے والا کتاب اللہ کی طرف

رجوع کئے بغیر محض اپنے عقلی اندازہ پہ بھروسہ کر کے یہ حکم لگاتا ہے (اور مسئلہ بیان کرتا ہے)۔ اسی حکم لگانے (اور اٹکل پچّو سے مذہبی مسئلہ بیان کرنے) کو اٹکل سے اندازہ کرنا، اپنی رائے کی پیروی اور اتباعِ تخمین وظن (گمان کی پیروی) کہتے ہیں۔ یہ چیز بے شک دنیوی امور و معاملات میں بڑی کارآمد چیز ہے، لیکن دینی امور میں ناقابلِ قبول اور مردود ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ سورہ انعام میں فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۴۸)

آپ کہہ دیجئے کیا تمہارے پاس (اس کے بارے میں) کوئی علم (مستند حکمِ الٰہی) ہے؛ (اگر ہے) تو اس کو نکال کر ہمارے آگے پیش کرو۔ تم تو صرف اپنے وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہو اور محض اٹکل پچو بات کر رہے ہو۔

اور سورۂ زخرف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝ (الزخرف: ۲۰-۲۱)

اور وہ (مشرک) کہتے ہیں کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم ان بتوں کو نہ پوجتے۔ (دراصل) اس بارے میں ان کے پاس کوئی علم (سندِ الٰہی) نہیں ہے۔ یہ صرف اٹکل اور اندازہ سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ کیا ہم نے اس سے پہلے کوئی (آسمانی) کتاب ان کو دی جس سے یہ سند پکڑتے ہیں۔

اور سورۂ ذاریات میں فرماتا ہے:

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ (الذاریات: ۱۰-۱۱)

اٹکل اور تخمینہ سے باتیں بنانے والے ہلاک ہوں جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوثعلبہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتَ هَوًى مُّتَّبَعًا وَّشُحًّا مُّطَاعًا وَّدُنْيَا مُّؤْثَرَةً وَّاِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَاْيٍ بِرَاْيِهٖ وَرَاَيْتَ اَمْرًا لَّا بُدَّ لَكَ مِنْهُ فَعَلَيْكَ نَفْسَكَ وَدَعْ اَمْرَ الْعَوَامِّ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو کہ لوگ خواہشِ نفس کی پیروی کرنے لگے اور حرص و ہوس کے بندے بن گئے اور دنیا کو ترجیح دینے لگے اور اس کے پیچھے لگ گئے اور ہر شخص اپنی رائے پہ گھمنڈ کرنے لگا اور اسی پہ خوش ہے اور اب دیکھو کہ اس امر (عزلت نشینی) کے بغیر چارہ نہیں ہے تو (اس صورت میں بے شک) اپنی فکر کرو اور اپنے آپ کو بچاؤ اور عام لوگوں کا معاملہ (انہی پہ) چھوڑ دو۔

ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت جندبؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا، تو اگرچہ اس نے صحیح کہا ہو پھر بھی اس نے غلطی کی۔"

ترمذی نے ابن عباس رضؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِهٖ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو وہ شخص اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

اس مذکورہ بالا تخمین (اٹکل دوڑانے) کی ایک بڑی وجہ جس کے باعث انسان عقلی بنیاد پر ایک چیز یا فعل کو اچھا سمجھنے لگتا ہے وہ قدیم رواج کی پیروی (کا جذبہ) ہے۔ یعنی جب انسان دیکھتا ہے کہ ایک عمل عوام وخواص میں ایک مدتِ دراز سے رائج ہے اور اسے (لوگوں میں) پھیلے ہوئے متواتر کئی صدیاں گذر چکی ہیں تو اگرچہ وہ اس کے حق میں آسمان سے اُتری ہوئی کوئی دلیل نہیں پاتا لیکن اتنے طویل عرصہ تک اس عمل کا عقلمندوں اور دانا لوگوں کے درمیان بغیر کسی مضبوط دلیل کے جاری ورائج رہنا اس کی عقل میں بعید معلوم ہوتا ہے۔ اسی بنا پر یہ حکم لگاتا ہے کہ فلاں عمل حق تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کی خوشنودی اور برکات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ورنہ اس کا اتنے

عرصہ تک باقی رہنا کسی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ اور نہ اگلے زمانہ کے عقلاء اس کو قبول کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق اس کو درہم برہم فرما دیتا، اور اگلے زمانہ کے بزرگانِ دین اسکو رد فرما دیتے۔

لیکن اس شخص کا یہ کلام بالکل غلط باطل اور اصلاً مردود ہے۔ بلکہ (حق بات یہ ہے کہ) کسی چیز کی نسبت خدا تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی یا اس کی ناراضگی ونارضامندی ثابت کرنے کے لئے یا تو کلام الٰہی یعنی (خدا کی طرف سے) نازل کی ہوئی کتاب سے دلیل پیش کرنی چاہیئے یا نبی معصوم کے کلام سے کوئی مسلسل حدیث ہونی چاہیئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ سورۂ انعام میں فرماتا ہے:

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ

اب مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر رہے۔ کہہ دو کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے (اگر ہے) تو اسے ہمارے سامنے نکالو۔ تم محض اپنے خیال وگمان کے پیچھے چلتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہو۔ کہہ دو کہ خدا ہی کی حجت ودلیل قوی اور غالب ہے اگر وہ چاہتا تو

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۔ (الانعام: ۱۴۹-۱۵۰)

تم سب کو ہدایت دے دیتا ۔ (ان سے) کہہ دو کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو بتائیں کہ خدا نے یہ چیزیں حرام کی ہیں ۔

اور سورۂ اعراف میں فرماتا ہے:

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۸)

اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ۔ اور خدا نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے ۔ کہہ دو کہ خدا بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا ۔ بھلا خدا کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں (اور نہ اس کی کوئی سند ہے) ۔

اور سورۂ یوسف میں فرماتا ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (یوسف: ۳۹-۴۰)

(حضرت یوسفؑ نے کہا) اے میرے جیل خانہ کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا و غالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی حکم تو صرف خدا کا ہی ہے ۔

اور سورۂ شعراء میں فرماتا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ (الشعراء: ۶۹-۷۸)

اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو ۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو ۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں ۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں فائدے دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدائے رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہ مجھے راستہ دکھاتا ہے ۔

اور سورۂ لقمان میں فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ○ وَاِذَا

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں، نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن ۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو

قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ (لقمان: ۲۰ - ۲۱)

(کتاب) خدا نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)؟

اور سورۃ زخرف میں فرماتا ہے:

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۤ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝

اور وہ (مشرک) کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان بتوں کو نہ پوجتے۔ ان کو اس کا کچھ علم نہیں۔ یہ تو صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی تو یہ اس سے سند پکڑتے ہیں۔ بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر (چلتے) پایا اور (اب) ہم بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ پیغمبر نے کہا اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا (دین) لاؤں کہ

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (الزخرف: ۲۰ - ۲۵)

جس راستہ پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا وہ اس سے کہیں سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ کہنے لگے (جو دین) تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ تو ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

اور سورۃ احقاف میں فرماتا ہے:

اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (الاحقاف: ۴)

اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ (منقول) چلا آتا ہو (تو اسے پیش کرو)۔

امام ترمذی نے حضرت عمرو بن عوف رضہ سے روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَآ اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین ایک اجنبی اور غریب کی صورت سے شروع ہوا اور یہ پھر ویسا ہی ہو جائے گا جیسے شروع ہوا تھا تو ان اجنبی پردیسیوں کے لئے خوشخبری ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس بگاڑ کی اصلاح کریں گے جو میرے بعد لوگوں نے میری سنت میں پیدا کر دیا ہو گا۔

اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشَکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی عُلَمَاءُھُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب ہے کہ لوگوں پہ ایک ایسا زمانہ آئے جس میں (لوگوں میں) اسلام سوائے نام کے کچھ باقی نہ رہے، اور قرآن میں سے سوائے اس کے رسم الخط اور کتابت کے کچھ باقی نہ رہے، اور ان کی مسجدیں تو (خوب) بنی ہوئی آباد ہوں گی لیکن ہدایت کے لحاظ سے خالی اور غیر آباد ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے (کی مخلوق میں) بدترین ہوں گے۔ انہی میں سے فتنہ نکلے گا اور پھر انہی میں لوٹ جائے گا۔

مذکورہ بالا اچھے سمجھے جانے والا کاموں (استحسانات) میں سے ایک ناقص قیاس ہے۔ اور اس قیاس سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز شریعت میں آئی ہے (اور اس کی رو سے جائز ہے)۔ کوئی شخص ایک دوسری چیز کو جو اُس (مشروع) چیز سے بعض اوصاف میں مشابہت رکھتی ہے اپنی ناقص عقل میں اس مشروع چیز کی نظیر قرار دے لے اور مشروع چیز کا حکم اس دوسری غیر مشروع چیز پہ بھی جاری کر دے۔ یہ قیاس گمراہی کا راستہ ہے اور اسس کو دینی احکام میں داخل کرنا مردود و غیر مقبول ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (البقرہ: ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (اپنی قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے وہ شخص جس کو شیطان (جن) نے لپٹ کر بدحواس کر دیا ہو۔ یہ (سزا) اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ "مال خرید کر نفع پہ بیچنا بھی تو سود کی طرح ہے" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (نفع پہ) بیچنا حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

ان مذکورہ بالا وجوہ میں سے ایک وجہ امورِ دین میں افراط (زیادتی) کرنا ہے۔ یعنی جب کوئی شخص یہ دیکھتا ہے کہ ایک کام شریعت میں ثابت ہے اور شارع نے اس کو کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کے فضائل اور خوبیاں اور فائدے بیان فرمائے ہیں تو یہ شخص خیال کرتا ہے کہ اس کام کو جس قدر زیادہ کیا جائے گا اور اس میں جتنی افراط (زیادتی و اضافہ) کیا جائے گا اسی قدر شریعت کی طرف سے اس کی تعریف و تحسین ہو گی اور آخرت کے فائدے اس کو زیادہ حاصل ہوں گے اور رحمت الٰہی اس پہ خوب متوجہ ہو گی اور غیب کی برکتیں اس پہ بکثرت نازل ہوں گی۔ حالانکہ دین کے ہر کام کی ایک حد اور اندازہ مقرر ہے جس کو شارع نے بیان کر دیا ہے۔ اور اس کا محل و موقع بھی معین ہے جس کی تصریح شارع نے کر دی ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کا حاصل ہونا

اوراخروی فائدوں کا مترتب ہونا اور غیبی برکات کا نازل ہونا سب اسی بنیاد پر ہے کہ وہ کام یا فعل اپنی حد میں اور اپنے محل وموقع پر سرانجام دیا جاتے۔ جیساکہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ فرمایا ہے:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ط (الطلاق: ۱)

یہ خداتعالیٰ کی (مقررکردہ) حدیں ہیں۔ جو خداتعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

اورسورۃ نساء میں فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (النساء: ۱۴)

اور جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے بڑھے گا اس کو خدا دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

دارمی نے حضرت ثعلبہؓ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔

اللہ تعالیٰ نے فرائض فرض کئے ہیں تم لوگ ان کو (چھوڑکر) ضائع نہ کرنا، اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ تم ان کی حرمت کو نہ توڑنا، اور اس نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں تم ان سے تجاوز نہ کرنا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دینی تربیت کو جسمانی علاج پر قیاس کرنا چاہئے اور تمام دینی کاموں (اور احکام) کو ان بہت سی دواؤں کی طرح سمجھنا

چاہئے جن کے اوزان اور مقداریں مختلف ہوتی ہیں۔ کیونکہ ماہر طبیب ان دواؤں میں سے ہر دوا کو ایک خاص وزن ومقدار کے ساتھ بنا کر تیار کرتا ہے اور اس کے استعمال کا ایک خاص طریقہ مقرر کرتا ہے، مثلاً بعض دوائیں جوش کرکے پی جاتی ہیں۔ بعض پانی میں بھگو کر استعمال کی جاتی ہیں، بعض ناک میں ڈالی جاتی ہیں، بعض سفوف کی شکل میں پھانکی جاتی ہیں۔ بعض لعوق کی شکل میں چاٹی جاتی ہیں، بعض حلق میں لگائی جاتی ہیں، بعض کا لیپ کیا جاتا ہے اور سکائی کی جاتی ہے، بعض سے مالش اور طلا کیا جاتا ہے، بعض کو پانی میں جوش دے کر ان سے دھارا جاتا ہے۔ بعض کے فتیلے تیار کرتے ہیں، بعض کو حقنہ (صافہ) کی صورت میں دیتے ہیں۔ اسی طرح کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ اس کے علاوہ دوائیں استعمال کرنے کے لئے مختلف اوقات مخصوص ہیں مثلاً صبح نہار منہ، یا شام کو سونے کے وقت۔ نیز کبھی روزانہ غذا کھلانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور کبھی تنقیہ کا حکم دیتے ہیں۔ تو جس طرح جسمانی علاج میں افراط وتفریط (کمی بیشی) کرنا مریض کے لئے نقصان دہ ہے، اسی طرح روحانی علاج میں بھی مداہنت (سستی اور ڈھیلا پن) اور تقشف (حد سے زیادہ زہد) دونوں مکلف انسان کے حق میں نامقبول ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ (اس قسم کی) افراط اگر اعتقادات (روحانی) مقامات وواردات وحالات میں واقع ہو تو اس کو غلو کہتے ہیں، اور اگر علوم کے بارے میں ہو تو اس کو تعمق کہتے ہیں، اور اگر اخلاق وعبادات

میں ہو تو اس کو رہبانیت اور تشدد کہتے ہیں۔ اور اگر عادات میں ہو تو اس کو تکلف کہتے ہیں، اور اگر طہارت و نجاست کے سلسلہ میں ہو تو اس کو وسواس (وسوسہ) کہتے ہیں۔ اور اگر وسائل اور مقاصد کے مراتب کا خیال نہ رکھا جائے یا اصول اور فروع کے درجات کی طرف سے غفلت برتی جائے یعنی جو امور اصل مقاصد کے حصول کا محض ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کے لئے خوب کمر ہمت کسی جائے، اور اصل مقاصد کو محض وسیلہ اور ذریعہ سمجھ کر پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے، یا یہ کہ فروعی باتوں کو اصول کا درجہ دے کر ان کو بہت اہمیت دی جائے، اور اصول کو فروع سمجھ کر ان کی طرف سے غفلت و سہل انگاری برتی جائے تو اس کو ظلم اور سفاہت (بے وقوفی، جہالت) کہتے ہیں۔ جیسا کہ ان امور کے مراتب اور درجہ بندی کو ملحوظ رکھنے کو انصاف اور فقاہت (دانائی اور سمجھ داری) کہتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○
(البقرہ: ۴۴)

(یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کئے دیتے ہو حالانکہ تم کتاب (خدا) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟

مطلب یہ ہے کہ دین کے احکام کی تعلیم دینا اور امور دین سکھانا، نیز کتاب الٰہی کی تلاوت کرنا (دراصل) عمل کا وسیلہ ہے اور نفس کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ لیکن (اے علمائے یہود!) تم نے فقط اس تعلیم و تدریس

اور تلاوتِ کتاب کو ہی مقصود لذاتہٖ (اصل مقصد) قرار دے لیا ہے، اور اس کو اصل کمال سمجھ کر اپنی نظرِ ہمت اسی پر مرکوز کر دی ہے۔ اور خود اپنے نفس کی اصلاح جو کہ مقصودِ اصلی ہے، اس کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے، پس تم احمق ہو جو عقل نہیں رکھتے۔

اسی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ
(البقرہ: ۱۰۱-۱۰۲)

اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے پیغمبر آئے اور وہ ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے خدا کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ اور ان (خرافات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ اور سلیمان نے مطلق کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین ہی کفر کیا کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور ان باتوں کے (بھی) پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت و ماروت پر اتری تھیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ علوم شرعیہ کو جن پر (اخروی) نجات کا دار و

مدار ہے پیٹھ پیچھے ڈال کر ایسے زائد اور فضول علوم کے پیچھے لگ گئے جو آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ اسی پر دلالت کرتی ہے:

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ
مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ
(البقرہ: ۱۰۲)

اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

اگرچہ ان میں سے بعض علوم شیطانوں سے حاصل کئے گئے اور بعض فرشتوں سے لئے گئے لیکن چونکہ امور آخرت میں ان علوم کو کوئی دخل نہیں، اور نہ ان سے کوئی اخروی فائدہ ہے لہٰذا یہ علوم ان لوگوں کے حق میں لغو اور بے کار ہیں، بلکہ ان علوم کے حصول میں محنت اور کوشش کرنا مضر اور نقصان دہ ہے۔

اسی سورت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ
اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا
مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ
عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى
تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ
عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ
بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ

پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کر کے انہیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو۔ اور اگر وہ قید ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر انہیں چھڑا بھی لیتے ہو۔ حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تمہیں حرام تھا۔ (یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (خدا) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو تم میں

بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ
ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ
(البقرہ: ۸۵)

سے جو لوگ ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں ڈالے جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ مظلوم کی مدد کرنے کا ثواب اتنا بڑا نہیں جتنا بڑا ظلم کرنے کا عذاب ہے۔ دونوں کے مراتب میں بڑا فرق ہے۔ لیکن تم مظلوم کی مدد کرنے میں تو بڑا اہتمام کرتے ہو لیکن خود اس پر ظلم کرنے میں اتنے جری ہو (جو بہت بڑا جرم ہے اور مظلوم کی مدد کرنے سے نہیں دُھل سکتا)۔ لہٰذا ان امور کے مراتب کو اُلٹ پلٹ کرنے کا وبال دنیا و آخرت کے عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اسی سورت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ
مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ
كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ
وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
(البقرہ - ۱۴۲)

احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے۔ تم کہہ دو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر چلاتا ہے۔

نیز (آگے) فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(البقرۃ : ۱۷۷)

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (غلاموں کو چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں، اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے اور متقی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ (نماز میں) کسی مخصوص قبلہ کی طرف منہ کرنا دین کے اصولوں میں سے نہیں ہے اور نہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بنیادی رکن ہے کہ مذاہب وادیان کی فضیلت کا دارومدار اس پر ہو۔ کسی دین

ومذہب کی افضلیت اس سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ کسی دین ومذہب کی افضلیت اس بات سے ثابت کرنا کہ فلاں دین میں نماز کا قبلہ ادھر ہے، اور فلاں دین میں اُدھر ہے، محض حماقت اور نادانی ہے۔ بلکہ جو کام دین کے اصول اور تقویٰ وپرہیزگاری کی حقیقت کے بنیادی ارکان ہیں وہ صرف یہی مذکورہ بالا امور ہیں۔ لہٰذا جب بھی مذاہب وادیان کے فضائل پر گفتگو ہو گی اور تقویٰ کی حقیقت کے ارکان بیان کئے جائیں گے تو انہی باتوں پر غور کیا جائے گا کہ کونسے دین کے ماننے والے ان صفات کے حامل ہیں اور کون سے دین کے نہیں ہیں۔ (جس دین کے پیروان صفات کے حامل ہوں گے وہی دین سب سے افضل قرار پائے گا)۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(آل عمران: ۶۶)

دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں (کچھ) علم تھا بھی۔ مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں۔ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مطلب یہ ہے کہ جس بات کی اصل کتاب اللہ سے معلوم نہ ہو تو اس کی تحقیق کے پیچھے لگنا ایک بے جا کام ہے، اس لئے کہ تمام معلومات کا احاطہ کرنا صرف خدا تعالیٰ ہی کی شان ہے۔ کسی انسان کی شان

نہیں ہے۔ یہ دراصل تعمق سے روکنا ہے (جس کا ذکر پہلے آچکا ہے)۔ اسی مضمون پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے جو اسی سورت (آل عمران) میں ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں، اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں۔ حالانکہ مرادِ اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے اور یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔ اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔

(آل عمران: ۷)

یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں بیان ہوا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔــوْلًا ۔

اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ، کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

(بنی اسرائیل: ۳۶)

نیز اسی سورت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○

اور (اے محمدؐ!) تم سے روح کے بارے میں (لوگ) سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔

(بنی اسرائیل: ۸۵)

اسی طرح سورۂ کہف میں فرماتا ہے:

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڢ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ○ (الکہف: ۲۲)

(بعض لوگ) اٹکل پچو کہیں گے کہ وہ (اصحاب کہف) تین تھے (اور) چوتھا ان کا کتا تھا۔ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے (اور) چھٹا ان کا کتا تھا۔ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار ہی ان کی تعداد سے خوب واقف ہے۔ ان کو جانتے بھی ہیں تو بہت تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں)۔ تو تم ان (کے معاملے) میں گفتگو نہ کرنا مگر سرسری گفتگو اور نہ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کرنا۔

نیز آگے فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَہٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِہٖ وَاَسْمِعْ مَا لَہُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا ۝ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ۝

کہہ دو کہ جتنی مدت وہ (اصحاب کہف غار میں) رہے اُسے خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اسی کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں۔ وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ اور اپنے پروردگار کی کتاب کو جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے پڑھتے رہا کرو۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور اس کے سوا تم کہیں پناہ کی جگہ بھی نہیں پاؤ گے۔

(الکہف: ۲۶-۲۷)

مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کی تعلیم وتدریس اور اس کی تلاوت میں اور شریعت کے علوم کی تحقیق میں ہر دم مشغول رہنا چاہئے۔ اور علم الٰہی کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور نہ تکوین وتخلیق کائنات کے واقعات کی تفتیش وتحقیق میں لگنا چاہئے۔

اور سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا

کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خدا تو اُسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ

عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتَابَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

(اس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہل کتاب) تم (علمائے) ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب (خدا) پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بنا لو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔

(آل عمران: ۷۹-۸۰)

مطلب یہ ہے کہ (کوئی پیغمبر) تم کو جب انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کی تعظیم وتکریم کا حکم دیتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں سمجھنے چاہئیں کہ ان کی بھی عبادت کرو یا ان کے لئے بھی ربوبیت کی شان سمجھ لو، یعنی ان کو تکوینی امور میں آزادانہ اور مستقل طور پر تصرف کرنے والا سمجھنے لگو یا اپنے آپ کو ان کی قدرت کا مقہور ومغلوب تصور کرنے لگو۔ یہ امور تو عبودیت وربوبیت کے باہمی تعلق کا نتیجہ ومقتضا ہیں۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کسی اور کا ان امور میں دخل دینا یا دخل دینے والا سمجھنا کفر ہے اور اسلام کے منافی ہے۔ اور دراصل یہی غلو کا دروازہ بند کرنا ہے ⁂

○ قابل قدر دینی و علمی کتابیں ○

○ اجتہاد [(۱) اجتہاد کا تاریخی پس منظر (۲) مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر] از مولانا محمد تقی امینی

○ حدیث کا درایتی معیار ۔ از مولانا محمد تقی امینی

○ حجۃ اللہ البالغہ مترجم (عربی مع اردو) از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

○ بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام ۔ از شاہ اسمٰعیل شہید رح

○ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی مع اردو)
از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

○ امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین ۔ از مولانا حبیب الرحمٰن شروانی

○ تحفۃ الواعظین (اردو) از علامہ ابن جوزی رح

○ تازیانۂ شیطان ۔ از مولانا احمد سعید دہلوی رح

○ اسباب زوال امت از امیر شکیب ارسلان

○ کتاب الصلوٰۃ (اردو) از امام احمد بن حنبل رح

○ احکام الجنائز (اردو)

○ مختصر شعب الایمان (اردو)

○ شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق
از مولانا محمد منظور نعمانی

قدیمی کتب خانہ ۔ مقابل آرام باغ ۔ کراچی ۱